دیوانِ غالب (اردو)

نسخۂ خدابخش

تقدیم

فرخ جلالی

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

دیوانِ غالب (اردو)

نسخۂ خدا بخش

تقدیم

فرخ جلالی

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

تقسیم کار:

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

صدر دفتر:

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

شاخیں:

○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی - ۱۱۰۰۰۶
○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی - ۴۰۰۰۰۳
○ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علیگڑھ - ۲۰۲۰۰۲

اشاعت : ۱۹۹۶ء

پاکیزہ آفسیٹ، محمد پور روڈ، شاہ گنج، پٹنہ - ۶ میں طبع ہوئی۔

حرفِ چند

دیوانِ غالب کے کئی قلمی نسخے خدا بخش لائبریری میں محفوظ ہیں۔ فرخ جلالی صاحب نے ان میں سے ایک کا خصوصی مُطالعہ کر کے اسکی تدوین کی ہے اور اس پر تفصیلی حواشی لکھے ہیں۔ اس نسخے کا تعارف اور متن پیش کیا جارہا ہے۔ مقدمہ اور حواشی اگلی بار۔

ع ر ب ـــــــ

جناب فرخ جلالی
میکڈم

دیوانِ غالب

نسخۂ خطی خدا بخش لائبریری

لائبریری اندراج نمبر — ۹۲

یہ نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے۔ قاضی عبدالودود کا یہ قیاس ہے کہ "کتابت شورش ۵۷ء سے پیشتر کی ہے" میری رائے میں ۱۸۴۰ء کے آس پاس کی ہے۔ اب تک توجہ نہیں ہوئی ہے۔

اس دیوان میں غالب کی ایک قدیم غزل حسب روایت قدیم شامل ہے اس میں ایک شعر شامل ہے۔ ؎

تکلف بر طرف نظارگی میں ہی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ فتنہ دیکھا جائے ہے مجھ سے

حضرت عرشی مرحوم نے اور اب کالی داس گپتا رضا نے بہ پیروی عرشی "فتنہ" کے بجائے "ظلم" کا لفظ پسند کیا ہے۔ چند قدیم نسخوں میں جس میں اشاعتِ اوّل بھی شامل ہے لفظ "فتنہ" موجود ہے۔ فتنہ میں جو شوق اور شعریت ہے وہ ظلم میں کہاں ہے۔

یاد آیا کہ غالب نے اپنے دورِ شباب میں ایک مشہور اور معرکہ کا شعر کہا ؎

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

یہ شعر خوباں کی طرح مشہور ہو گیا اگر مان لیا جائے کہ بڑے بڑے لوگوں کے مشورے سے غالب نے اپنے دیوان کا انتخاب کیا اور بعض اشعار کی صورت خود بگاڑ دی۔ اپنے پہلے ہی دیوان کی اشاعت کے موقع پر غالب نے شعر کے اس متن کو پسند کیا ؎

یار سے چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

قبول عام نے پہلا متن مشہور رکھا اس طرح اس قتل کا چرچا نہیں ہوا مگر مطبوعہ دیوانوں میں آخری متن چھپ رہا ہے۔

ایک حیرت کی بات ہے کہ جناب کالی داس گپتا رضا اور ان سے پہلے کے بڑے حضرات خدابخش لائبریری کے اس خطی نسخہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں فرماتے۔ جناب کالی داس گپتا رضا بارہ قلمی نسخوں کا اور پانچ مطبوعہ نسخوں کی مدد سے اپنا دیوان غالب مرتب فرماتے ہیں مگر یہ نسخہ خدا بخش لائبریری یا نسخہ عظیم آباد قابل ذکر قرار نہیں پاتا۔ میں نسخہ عظیم آباد کو شایع کرنا چاہتا ہوں۔ مالک رام مرحوم سے بارہا تذکرہ رہا کہ غالب کے خطی نسخوں کی اشاعت کی ضرورت ہے۔ بہت برسوں کی بات ہے کہ میں نے غالب پر ایک مضمون کی اشاعت پر لکھا تھا کہ سرسید اور ان کے بھائی سید محمد کے مطبع کا نام سید المطابع نہیں تھا۔

حضرت عرشی مرحوم نے اپنے مرتبہ دیوان میں ایک جگہ تحریر فرمایا:

"یہ مطبع سرسید کے بھائی سید محمد خان بہادر نے دہلی میں قائم کیا تھا اور سید المطابع یا مطبع سید الاخبار کے نام سے مشہور تھا۔"

جناب مالک رام نے اور کالی داس گپتا رضا نے اشاعت اول کا سرورق چھاپا ہے۔ اس میں صاف لکھا ہے کہ "سید محمد خان بہادر کے چھاپہ خانے کے لیتھوگرافک پریس میں چھاپا ہوا۔"

اس سے قبل سرسید کی پہلی فارسی کتاب "جام جم" اسی مطبع سے جب شایع ہوئی تو "پریس" کا نام مطبع سید الاخبار نہیں تھا بعد کو اس چھاپہ خانہ کا نام مطبع سید الاخبار ہوگیا۔ یہ ترکیب لکھنؤ کے پریسوں کی طرز پر کی گئی۔ بعد میں جب اس پریس کا نام مطبع سید الاخبار ہوگیا تو سرسید احمد کی کئی کتابیں اس مطبع سے چھپتی رہیں جیسے آثار الصنادید ۱۸۴۷ء (طبع اول) وغیرہ۔ اور مصنفین کی کتابیں بھی مطبع سید الاخبار سے شایع ہوئیں جن کی ایک مختصر فہرست آئندہ دی جائے گی۔ ۱۸۴۰ء یا ۱۸۴۱ء میں اس مطبع سے اخبار سید الاخبار بھی چھپنے لگا۔ اس کا موضوع زیادہ تر قانون تھا۔

●●

دیوانِ غالبؔ (اردو) نسخۂ خدابخش

تقدیم

فرخ جلالی

رب یسر بسم اللہ الرحمن الرحیم و تمم بالخیر

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا ۔۔۔ کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

کاو کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ — صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے — سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے — مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیرِ پا — موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

ولہ

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار — صحرا مگر بہ تنگیِ چشمِ حسود تھا

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست — ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ — جب آنکھ کھل گئی نہ زیاں تھا نہ سود تھا

لیتا ہوں مکتب غم دل میں سبق ہنوز — لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی — میں ورنہ ہر لباس میں ننگ وجود تھا

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہکن اسد — سرگشتۂ خمار رسوم و قیود تھا

ولہ

کہتے ہو نہ دینگے ہم دل اگر پڑا پایا — دل کہاں کہ گم کیجے ہمنے مدعا پایا

عشق سے طبیعت نے زیست کا مزا پایا — درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا

سادگی و پرکاری بیخودی و ہشیاری — حسن کو تغافل میں جرات آزما پایا

غنچہ پھر لگا کھلنے آج ہمنے اپنا دل — خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا

حال دل نہیں معلوم لیکن اسقدر یعنی — ہمنے بارہا ڈھونڈا تمنے بارہا پایا

شور پند ناصح نے زخم پر نمک چھڑکا — آپ سے کوئی پوچھے تمنے کیا مزا پایا

دوستدار دشمن ہے اعتماد دل معلوم — آہ بے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا

ولہ

دل مرا سوز نہاں سے بے محابا جل گیا — آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا

دل میں ذوق وصل و یاد یار تک باقی نہیں — آگ اس گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا

میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا — میری آہ آتشیں سے بال عنقا جل گیا

عرض کیجے جوہر اندیشہ کی گرمی کہاں — کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا

دل نہیں

دل نہیں تجھکو دکھاتا ورنہ داغوں کی بہار
اس چراغاں کا کروں کیا کارفرما جل گیا

میں ہوں اور افسردگی کی آرزو غالب کہ دل
دیکھکر طرزِ تپاکِ اہلِ دنیا جل گیا

وله

شوق ہر رنگ رقیبِ سر و ساماں نکلا
قیس تصویر کے پردے میں بھی عریاں نکلا

زخم نے داد نہ دی تنگیِ دل کی یارب
تیر بھی سینۂ بسمل سے پرافشاں نکلا

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

دل حسرت زدہ تھا مائدۂ لذتِ وصل
کام یاروں کا بقدرِ لب و دنداں نکلا

تھی نوآموزِ فنا ہمتِ دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

دلمیں پھر گریہ نے اک شور اٹھایا غالب
آہ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

وله

دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبرد پیشہ طلبگارِ مرد تھا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیشتر بھی مرا رنگ زرد تھا

تالیفِ نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
مجموعۂ خیال ابھی فرد فرد تھا

دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
اس رہگذر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا

احباب چارہ سازیِ وحشت نہ کر سکے
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

یہ لاشِ بےکفن غالبِ خستہ جاں کی ہے
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

ولہ

شمارِ سبحہ مرغوبِ بتِ مشکل پسند آیا
تماشائے بیک کف بردنِ صد دل پسند آیا

بہ فیضِ بیدلی نومیدیِ جاوید آساں ہے
کشائش کو ہمارا عقدۂ مشکل پسند آیا

ہوائے سیرِ گل آئینۂ بے مہریِ قاتل
کہ اندازِ بخوں غلطیدنِ بسمل پسند آیا

ولہ

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

سبزۂ خط سے ترا کاکلِ سرکش نہ دبا
یہ زمرد بھی حریفِ دمِ افعی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

دل گزرگاہِ خیالِ مے و ساغر ہی سہی
گر نفَس جادۂ سر منزلِ تقوی نہ ہوا

ہوں ترے وعدہ نہ کرنے میں بھی راضی کہ کبھی
گوش منت کشِ گلبانگِ تسلی نہ ہوا

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجیے
ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمۂ یک جنبشِ لب سے غالب
ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسی نہ ہوا

ولہ

ستائش گر ہے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
وہ اک گلدستہ ہے ہم بیخودوں کے طاقِ نسیاں کا

بیاں کی

بیاں کیا کیجیے بیداد کاوشہائے مژگاں کا
کہ ہر ایک قطرۂ خوں دانہ ہے تسبیح مرجاں کا

نہ آئی سطوت قاتل بھی مانع میرے نالوں کو
لیا دانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا

دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانے نے
مرا ہر داغ دل اک تخم ہے سرو چراغاں کا

کیا آئینہ خانے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
کرے جو پرتو خورشید عالم شبنمستاں کا

مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا

اگا ہے گھر میں ہر سو سبزہ ویرانی تماشا کر
مدار اب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے درباں کا

خموشی میں نہاں خوں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
چراغ مردہ ہوں میں بے زباں گور غریباں کا

ہنوز اک پرتو نقش خیال یار باقی ہے
دل افسردہ گویا حجرہ ہے یوسف کے زنداں کا

بغل میں غیر کی آج آپ سوتے ہیں کہیں ورنہ
سبب کیا خواب میں آ کر تبسم ہائے پنہاں کا

نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا
قیامت ہے سرشک آلودہ ہونا تیری مژگاں کا

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجزائے پریشاں کا

ولہ

نہ ہوگا یک بیاباں ماندگی سے ذوق کم میرا
حباب موجۂ رفتار ہے نقش قدم میرا

محبت تھی چمن سے لیکن اب یہ بیدماغی ہے
کہ موج بوئے گل سے ناک میں آتا ہے دم میرا

ولہ

سراپا رہن عشق و ناگزیر الفت ہستی
عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا

بقدرِ ظرف ہے ساقی خمارِ تشنہ کامی بھی
جو تو دریائے مے ہے تو میں خمیازہ ہوں ساحل کا

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز
یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

صرفہ ہے ضبطِ آہ میں میرا وگرنہ میں
طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا

ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے
ہر گوشۂ بساط ہے سر شیشہ باز کا

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض اس گرہِ نیم باز کا

تاراجِ کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسد
سینہ کہ تھا دفینہ گہرہائے راز کا

ولہ

شب کہ برقِ سوزِ دل سے زہرۂ ابر آب تھا
شعلۂ جوالہ ہر یک حلقۂ گرداب تھا

واں کرم کو عذرِ بارش تھا عناں گیرِ خرام
گریے سے یاں پنبۂ بالش کفِ سیلاب تھا

واں خود آرائی کو تھا موتی پرونے کا خیال
یاں ہجومِ اشک میں تارِ نگہ نایاب تھا

جلوۂ گل نے کیا تھا واں چراغاں آبجو
یاں رواں مژگانِ چشمِ تر سے خونِ ناب تھا

یاں سرِ پرشور بے خوابی سے تھا دیوار جو
واں وہ فرقِ ناز محوِ بالشِ کمخواب تھا

یاں نفس کرتا تھا روشن شمعِ بزمِ بیخودی
جلوۂ گل واں بساطِ صحبتِ احباب تھا

فرش سے تا عرش واں طوفاں تھا موجِ رنگ کا
یاں زمیں سے آسماں تک سوختن کا باب تھا

ناگہاں

ناگہاں اس رنگ سے خوں نابہ ٹپکانے لگا — دل کہ ذوقِ کاوشِ ناخن سے لذت یاب تھا
نالۂ دل میں شب اندازِ اثر نایاب تھا — تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیر گو بیتاب تھا
مقدمِ سیلاب سے دل کیا نشاط آہنگ ہے — خانۂ عاشق مگر سازِ صدائے آب تھا
نازشِ ایامِ خاکستر نشینی کیا کہوں — پہلوئے اندیشہ وقفِ بسترِ سنجاب تھا
کچھ نہ کی اپنے جنونِ نارسا نے ورنہ یاں — ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالم تاب تھا
آج کیوں پروا نہیں اپنے اسیروں کی تجھے — کل تلک تیرا بھی دل مہر و وفا کا باب تھا
یاد کر وہ دن کہ ہر یک حلقہ تیرے دام کا — انتظارِ صید میں اک دیدۂ بیخواب تھا
میں نے روکا رات غالب کو وگرنہ دیکھتے — اوسکے سیلِ گریہ میں گردوں کفِ سیلاب تھا

ولہ

ایک ایک قطرہ کا مجھے دینا پڑا حساب — خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا
اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو — توڑا جو تو نے آئینہ تمثال دار تھا
گلیوں میں میری نعش کو کھینچے پھرو کہ میں — جاں دادۂ ہوائے سرِ رہگذار تھا
موجِ سرابِ دشتِ وفا کا نہ پوچھ حال — ہر ذرہ مثلِ جوہرِ تیغ آبدار تھا
کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب — دیکھا تو کم ہوئے پہ غمِ روزگار تھا

ولہ

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا — آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

گریہ چاہے ہے خرابی مرے کاشانے کی — در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا

وائے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھکو — آپ جانا ادہر اور آپ ہی حیران ہونا

جلوہ از بسکہ تقاضائے نگہ کرتا ہے — جوہر آئینہ بھی چاہے ہے مژگاں ہونا

عشرت قتل گہ اہل تمنا مت پوچھ — عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

لیگئے خاک میں ہم داغ تمنائے نشاط — تو ہو اور آپ بصد رنگ گلستان ہونا

عشرت پارہ دل زخم تمنا کہانا — لذت ریش جگر غرق نمکدان ہونا

کی مرے قتل کے بعد اوسنے جفا سے توبہ — ہائی اوس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

حیف اوس چار گرہ کپڑے کی قسمت غالب — جسکی قسمت میں ہو عاشق کا گریبان ہونا

ولہ

شب خمار شوق ساقی رستخیز اندازہ تھا — تا محیط بادہ صورت خانہ خمیازہ تھا

اک قدم وحشت سے درس دفتر امکاں کھلا — جادہ اجزای دو عالم دشت کا شیرازہ تھا

مانع وحشت خرامی ہای لیلے کون ہے — خانہ مجنون صحرا گرد بے دروازہ تھا

پوچھ مت رسوائی انداز استغنائے حسن — دست مرہون حنا رخسار رہن غازہ تھا

نالۂ دل نے دئے اوراق لخت دل بباد — یادگار نالہ اک دیوان بے شیرازہ تھا

ولہ

دوست غمخواری میں میری سعی فرماویں گے کیا
زخم کے بھرنے تلک ناخن نہ بڑھ جاویں گے کیا

حضرت ناصح گر آویں دیدہ و دل فرش راہ
کوئی مجھکو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھاویں گے کیا

بے نیازی حد سے گذری بندہ پرور کب تلک
ہم کہینگے حال دل اور آپ فرماوینگے کیا

آج واں تیغ و کفن باندھے ہوے جاتا ہوں میں
عذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لاوینگے کیا

گر کیا ناصح نے ہمکو قید اچھا یوں سہی
یہ جنون عشق کے انداز چھٹ جاوینگے کیا

خانہ زاد زلف ہیں زنجیر سے بھاگینگے کیوں
ہیں گرفتار وفا زنداں سے گھبراوینگے کیا

ہے اب اس معمورہ میں قحط غم الفت اسد
ہمنے یہ مانا کہ دلی میں رہیں کھاوینگے کیا

ولہ

ہوس کو ہے نشاط کار کیا کیا
نہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

تجاہل پیشگی سے مدعا کیا
کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

نوازشہائے بیجا دیکھتا ہوں
شکایتہائے رنگیں کا گلا کیا

نگاہ بے محابا چاہتا ہوں
تغافلہائے تمکیں آزما کیا

فروغ شعلۂ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاس ناموس وفا کیا

نفس موج محیط بیخودی ہے
تغافلہائے ساقی کا گلا کیا

دماغ عطر پیراہن نہیں ہے
غم آوارگیہائے صبا کیا

اسد ہم وہ جنوں جولاں گداے بے سر و پا ہیں
کہ ہے سر پنجۂ مژگان آہو پشت خار اپنا

ولہ

ہے نذرِ کرم تحفہ ہے شرمِ نارسائی کا
بخوں غلطیدۂ صد رنگ دعوی پارسائی کا

نہ ہو حسنِ تماشا دوست رسوا بے وفائی کا
بمہرِ صد نظر ثابت ہے دعوی پارسائی کا

زکواۃ حسن دے اے جلوۂ بینش کہ مہر آسا
چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا

نہ مارا جان کر بے جرم غافل تیری گردن پر
رہا مانندِ خونِ بے گنہ حق آشنائی کا

تمناے زباں محوِ سپاسِ بے زبانی ہے
مٹا جس سے تقاضا شکوۂ بے دست و پائی کا

وہی اک بات ہے جو یاں نفس واں نکہتِ گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہے مری رنگیں نوائی کا

دہانِ ہر بتِ پیغارہ جو زنجیرِ رسوائی
عدم تک بے وفا چرچا ہے تیری بے وفائی کا

نہ دے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھدے
کہ حسرت سنج ہوں عرضِ ستم ہاے جدائی کا

ولہ

گر نہ اندوہِ شبِ فرقت بیاں ہو جائیگا
بے تکلف داغِ مہ مہرِ دہاں ہو جائیگا

زہرہ گر ایسا ہی شامِ ہجر میں ہوتا ہے آب
پرتوِ مہتاب سیلِ خانماں ہو جائیگا

لے تو لوں سوتے میں اوسکے پانوں کا بوسا مگر
ایسی باتوں سے وہ کافر بدگماں ہو جائیگا

دلکو ہم صرفِ وفا سمجھے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ امتحاں ہو جائیگا

بسکہ روکا

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائیگا

گر نگاہ گرم فرماتی رہی تعلیم ضبط
شعلہ خس میں جیسے خوں رگ میں نہاں ہو جائیگا

باغ میں مجھکو نہ لیجا ورنہ میرے حال پر
ہر گل تر ایک چشم خوں فشاں ہو جائیگا

وائے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائیگا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسدؔ
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

ولہ

گلا ہے شوق کو دل میں بھی تنگیٔ جا کا
گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخ مکتوب
مگر ستم زدہ ہوں ذوق خامہ فرسا کا

حنائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی
دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا

غم فراق میں تکلیف سیر باغ نہ دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بیجا کا

ہنوز محرمی حسن کو ترستا ہوں
کرے ہے ہر بن مو کام چشم بینا کا

دل اسکو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
ہمیں دماغ کہاں حسن کے تقاضا کا

نہ کہہ کہ گریہ بمقدار حسرت دل ہے
مری نگاہ میں ہے جمع و خرچ دریا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اسکو یاد اسدؔ
جفا میں اسکی ہے انداز کار فرما کا

قطرۂ مے بسکہ حیرت سے نفس پرور ہوا — خط جام مے سراسر رشتۂ گوہر ہوا

اعتبار عشق کی خانہ خرابی دیکھنا — غیر نے کی آہ لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

ولہ

جب بہ تقریب سفر یار نے محمل باندھا — تپش شوق نے ہر ذرّہ پہ اک دل باندھا

اہل بینش نے بہ حیرت کدۂ شوخی ناز — جوہر آئینہ کو طوطیِ بسمل باندھا

یاس و امید نے یک عربدہ میداں مانگا — عجز ہمت نے طلسم دل سائل باندھا

نہ بندھے تشنگی شوق کے مضموں غالب — گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا

ولہ

یک ذرۂ زمیں نہیں بیکار باغ کا — یاں جادہ بھی فتیلہ ہے لالے کے داغ کا

بے مے کسے ہے طاقت آشوب آگہی — کھینچا ہے عجز حوصلہ نے خط ایاغ کا

تازہ نہیں ہے نشۂ فکر سخن مجھے — تریاکیِ قدیم ہوں دود چراغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل — کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

سو بار بند عشق سے آزاد ہم ہوئے — پر کیا کریں کہ دل ہی عدو ہے فراغ کا

بے خون دل ہے چشم میں موج نگہ غبار — یہ میکدہ خراب ہے مے کے سراغ کا

باغ شگفتہ تیرا بساط نشاط ہے — ابر بہار خمکدہ کس کے دماغ کا

ولہ

وہ مری چینِ جبیں سے غمِ پنہاں سمجھا　　رازِ مکتوب بہ بے ربطئ عنواں سمجھا

یک الف بیش نہیں صیقلِ آئینہ ہنوز　　چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

شرحِ اسبابِ گرفتاریِ خاطر مت پوچھ　　اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں زنداں سمجھا

بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرمِ خرام　　رخ پہ ہر قطرہ عرق دیدۂ حیراں سمجھا

عجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا　　نبضِ خس سے تپشِ شعلۂ سوزاں سمجھا

سفرِ عشق میں کی ضعف نے راحت طلبی　　ہر قدم سایہ کو میں اپنے شبستاں سمجھا

تھا گریزاں مژۂ یار سے دل تا دمِ مرگ　　دفعِ پیکانِ قضا اس قدر آساں سمجھا

دل دیا جان کے کیوں اس کو وفادار اسدؔ　　غلطی کی کہ جو کافر کو مسلماں سمجھا

ولہ

پھر مجھے دیدۂ تر یاد آیا　　دل جگر تشنۂ فریاد آیا

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز　　پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا

سادگی ہائے تمنا یعنی　　پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا

عذرِ واماندگی اے حسرتِ دل　　نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا

زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی　　کیوں ترا راہگزر یاد آیا

آہ وہ جرأتِ فریاد کہاں　　دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا

پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال
دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا

کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسدؔ
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

لبِ خشک در تشنگی مردگاں کا
زیارت کدہ ہوں دل آزردگاں کا

ہمہ ناامیدی ہمہ بدگمانی
میں دل ہوں فریبِ وفا خوردگاں کا

ولہ

تو دوست کسو کا بھی ستمگر نہ ہوا تھا
اوروں پہ ہے وہ ظلم کہ مجھ پر نہ ہوا تھا

چھوڑا مہِ نخشب کی طرح دستِ قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

توفیق بہ اندازۂ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ کہ گوہر نہ ہوا تھا

جب تک کہ نہ دیکھا تھا قدِ یار کا عالم
میں معتقدِ فتنۂ محشر نہ ہوا تھا

میں سادہ دل آزردگیِ یار سے خوش ہوں
یعنی سبقِ شوقِ مکرر نہ ہوا تھا

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی اسدؔ داغِ جگر سے مری تحصیل
آتشکدہ جاگیرِ سمندر نہ ہوا تھا

ولہ

نہ کو

شب کو وہ مجلس فروز خلوت ناموس تھا
رشتۂ ہر شمع خار کسوت فانوس تھا

مشہد عاشق سے کوسوں تک جو اگتی ہے حنا
کس قدر یا رب ہلاک حسرت پابوس تھا

حاصل الفت نہ دیکھا جز شکست آرزو
دل بدل پیوستہ گویا یک لب افسوس تھا

کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیان
جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

ولہ

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

قاصد کو اپنے ہاتھ سے گردن نہ ماریے
اس کی خطا نہیں ہے یہ میرا قصور تھا

ولہ

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

جاتا ہوں داغ حسرت ہستی لیے ہوئے
ہوں شمع کشتہ درخور محفل نہیں رہا

مرنے کی اے دل اور ہی تدبیر کر کہ میں
شایان دست و بازوی قاتل نہیں رہا

بر روی شش جہت در آئینہ باز ہے
یاں امتیاز ناقص و کامل نہیں رہا

وا کر دیے ہیں شوق نے بند نقاب حسن
غیر از نگاہ اب کوئی حائل نہیں رہا

گو میں رہا رہین ستم ہای روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

دل سے ہوای کشت وفا مٹ گئی کہ واں
حاصل سوای حسرت حاصل نہیں رہا

بیداد عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد
جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

ذرہ ذرہ ساغرِ میخانۂ نیرنگ ہے
گردشِ مجنوں بہ چشمکہائے لیلیٰ آشنا

شوق ہے ساماں طرازِ نازشِ اربابِ عجز
ذرہ صحرا دستگاہ و قطرہ دریا آشنا

میں اور اک آفت کا ٹکڑا وہ دلِ وحشی کہ ہے
عافیت کا دشمن اور آوارگی کا آشنا

شکوہ سنجِ رشکِ ہمدیگر نہ رہنا چاہیے
میرا زانو مونس اور آئینہ تیرا آشنا

کوہکن نقاشِ یک تمثالِ شیریں تھا اسدؔ
سنگ سے سر مار کر ہووے نہ پیدا آشنا

ولہ

سرمۂ مفتِ نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مبادا ظالم
تیرے چہرے سے ہو ظاہر غمِ پنہاں میرا

ولہ

غافل بوہمِ ناز خود آرا ہے ورنہ یاں
بے شانۂ صبا نہیں طرہ گیاہ کا

بزمِ قدح سے عیشِ تمنا نہ رکھ کہ رنگ
صیدِ زدام جستہ ہے اس دام گاہ کا

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے
پرگل خیالِ زخم سے دامن نگاہ کا

جاں درہوائے یک نگہِ گرم ہے اسدؔ
پروانہ ہے وکیل ترے داد خواہ کا

لطافت

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی — چمن زنگار ہے آئینۂ باد بہاری کا

حریف جوشش دریا نہیں خودداری ساحل — جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

ولہ

عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا — درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

تجھ سے قسمت میں مری صورت قفل ابجد — تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا

دل ہوا کشمکش چارۂ زحمت میں تمام — مٹ گیا گھسنے میں اس عقدے کا وا ہو جانا

اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ — اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

ضعف سے گریہ مبدل بہ دم سرد ہوا — باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا

دل سے مٹنا تری انگشت حنائی کا خیال — ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا

ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا — روتے روتے غم فرقت میں فنا ہو جانا

گر نہیں نکہت گل کو ترے کوچے کی ہوس — کیوں ہے گرد رہ جولان صبا ہو جانا

بخشے ہے جلوۂ گل ذوق تماشا غالب — ف — چشم کو چاہیے ہر رنگ میں وا ہو جانا

تاکہ تجھ پر کھلے اعجاز ہوائے صیقل — دیکھ برسات میں سبز آئنے کا ہو جانا

ردیف الباء الموحدہ

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب — دے بط مے کو دل و دست شنا موج شراب

پوچھ مت وجہ سیہ مستیِ اربابِ چمن
سایۂ تاک میں ہوتی ہے ہوا موجِ شراب

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے
سر سے گزرے پہ بھی ہے بالِ ہما موجِ شراب

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہے اگر
موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

چار موجِ اٹھتی ہے طوفانِ طرب سے ہر سو
موجِ گل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

جس قدر روحِ نباتی ہے جگر تشنۂ ناز
دے ہے تسکیں بدمِ آبِ بقا موجِ شراب

بس کہ دوڑے ہے رگِ تاک میں خوں ہو ہو کر
شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

موجۂ گل سے چراغاں ہے گزرگاہِ خیال
ہے تصور میں ز بس جلوہ نما موجِ شراب

نشے کے پردے میں ہے محوِ تماشائے دماغ
بس کہ رکھتی ہے سرِ نشو و نما موجِ شراب

ایک عالم پہ ہیں طوفانیِ کیفیتِ فصل
موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موجِ شراب

شرحِ ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسمِ گل
رہبرِ قطرہ بہ دریا ہے خوشا موجِ شراب

ہوش اڑتے ہیں مرے جلوۂ گل دیکھ اسد
پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب

ردیف التاء

افسوس کہ دنداں کا کیا رزق فلک نے
جن لوگوں کی تھی درخورِ عقدِ گہر انگشت

کافی ہے نشانی تری چھلے کا نہ دینا
خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

لکھتا ہوں اسد سوزشِ دل سے سخنِ گرم
تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت … پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت

ولہ

جگر کو مرے عشق خوں نابہ مشرب … لکھے ہے خداوند نعمت سلامت

علی الرغم دشمن شہید وفا ہوں … مبارک مبارک سلامت سلامت

نہیں گر سر و برگ ادراک معنی … تماشائے نیرنگ صورت سلامت

ولہ

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالب … یار لائے مری بالیں پہ اسے پر کس وقت

ولہ

آمد خط سے ہوا ہے سرد جو بازار دوست … دود شمع کشتہ تھا شاید خط رخسار دوست

اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر … کون لا سکتا ہے تاب جلوۂ دیدار دوست

خانہ ویراں سازی حیرت تماشا کیجیے … صورت نقش قدم ہوں رفتۂ رفتار دوست

عشق میں بیداد رشک غیر نے مارا مجھے … کشتۂ دشمن ہوں آخر گرچہ تھا بیمار دوست

چشم ما روشن کہ اس بیدرد کا دل شاد ہے … دیدۂ پر خوں ہمارا ساغر سرشار دوست

غیر یوں کرتا ہے میری پرسش اس کے ہجر میں … بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوار دوست

تاکہ میں جانوں کہ ہے اس کی رسائی واں تلک … مجھ کو دیتا ہے پیام وعدۂ دیدار دوست

جب کہ میں کرتا ہوں اپنا شکوۂ ضعف دماغ … سر کرے ہے وہ حدیث زلف عنبر بار دوست

چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر … ہنس کے کرتا ہے بیان شوخی گفتار دوست

مہربانیہای دشمن کی شکایت کیجیے
یا بیاں کیجیے سپاس لذت آزار دوست

یہ غزل اپنے مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ
ہے ردیف شعر میں غالب ز بس تکرار دوست

ردیف الجیم المعجمہ التازیہ

گلشن میں بندوبست برنگ دگر ہے آج
قمری کا طوق حلقۂ بیرون در ہے آج

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ
تار نفس کمند شکار اثر ہے آج

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل
سیلاب گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

وله

لو ہم مریض عشق کے بیمار دار ہیں
اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج

جیم الفارسی

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ
اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

کمال گرمی سعی تلاش دید نہ پوچھ
برنگ خار مرے آئنہ سے جوہر کھینچ

تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل
کیا ہے کس نے اشارہ کہ ناز بستر کھینچ

تری طرف ہے بحسرت نظارۂ نرگس
بکوری دل و چشم رقیب ساغر کھینچ

بہ نیم غمزہ ادا کر حق ودیعت ناز
نیام پردۂ زخم جگر سے خنجر کھینچ

مرے قدح میں ہے صہبای آتش پنہاں
بروی سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

[illegible]

ردیف الدال

حسنِ غمزہ کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد — بارے آرام سے ہیں اہلِ جفا میرے بعد

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا — ہوئی معزولیِ انداز و ادا میرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے — شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

در خورِ عرض نہیں جوہرِ بیداد کو جا — نگہِ ناز ہے سرمے سے خفا میرے بعد

تھی جنوں اہلِ جنوں کے لئے آغوشِ وداع — چاک ہوتا ہے گریباں سے جدا میرے بعد

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق — ہے مکرر لبِ ساقی میں صلا میرے بعد

غم سے مرتا ہوں کہ اتنا نہیں دنیا میں کوئی — کہ کرے تعزیتِ مہر و وفا میرے بعد

آئے ہے بیکسیِ عشق پہ رونا غالب — کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا میرے بعد

ردیف الرای

بلا سے ہیں جو یہ پیشِ نظر در و دیوار — نگاہِ شوق کو ہیں بال و پر در و دیوار

وفورِ اشک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ — کہ ہو گئے مرے دیوار و در در و دیوار

نہیں ہے سایہ کہ سن کر نوید مقدمِ یار — گئے ہیں چند قدم پیشتر در و دیوار

ہوئی ہے کس قدر ارزانیِ مئے جلوہ — کہ مست ہے ترے کوچے میں ہر در و دیوار

جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار تو آ — کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

ہجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے — کہ گر پڑے نہ مرے پاؤں پر در و دیوار

وہ آرہا مرے ہمسایہ میں تو سایے سے
ہوئی فدا در و دیوار پر در و دیوار

نظر میں کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی
ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر در و دیوار

نہ پوچھ بیخودی عیش مقدم سیلاب
کہ ناچتے ہیں پڑے سر بسر در و دیوار

نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانہ میں
حریف راز محبت مگر در و دیوار

و له

کیوں جل گیا نہ تاب رخ یار دیکھ کر
جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر

آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے
سرگرم نالہ ہاے شرربار دیکھ کر

کی آبروے عشق جہاں عام ہو جفا
رکتا ہوں تمکو بے سبب آزار دیکھ کر

آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے
مرتا ہوں اوسکے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر

ثابت ہوا ہے گردن مینا پر خون خلق
لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھ کر

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہمکو حریص لذت آزار دیکھ کر

بک جاتے ہیں ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھ کر

زنار باندھ سبحہ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

ان آبلوں سے پانو کے گھبرا گیا تھا میں
جی خوش ہوا ہے راہ کو پرخار دیکھ کر

کیا بدگماں ہے مجھسے کہ آئینہ میں مرے
طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھ کر

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

لم ہوئی آنا

سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

ولہ

لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر

نہ چھوڑی حضرتِ یوسف نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہے زنداں پر

فنا تعلیمِ درسِ بیخودی ہوں اس زمانے سے
کہ مجنوں لام الف لکھتا تھا دیوارِ دبستاں پر

فراغت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل نمکداں پر

نہیں اقلیمِ الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا
کہ پشتِ چشم سے جس کی نہ ہووے مہر عنواں پر

مجھے اب دیکھ کر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتش برستی تھی گلستاں پر

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا
قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

ولہ

صفائے حیرتِ آئینہ ہے سامانِ زنگ آخر
تغیر آبِ برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

نہ کی سامانِ عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی
ہوا جامِ زمرد بھی مجھے داغِ پلنگ آخر

ولہ

جنوں کی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی
گریباں چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

بہ رنگِ کاغذِ آتش زدہ نیرنگِ بیتابی
ہزار آئینہ دل باندھے ہے بالِ یک تپیدن پر

فلک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے
متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرض رہزن پر

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے
شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

ولہ

ستمکش مصلحت سے ہوں کہ خوباں تجھ پہ عاشق ہیں
تکلف بر طرف مل جائیگا تجھ سا رقیب آخر

ولہ

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر
ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

ہے ناز مفلساں زر از دست رفتہ پر
ہوں گلفروش شوخی داغ کہن ہنوز

میخانۂ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
خمیازہ کھینچے ہے بت بیداد فن ہنوز

ولہ

حریف مطلب مشکل نہیں فسون نیاز
دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

نہ ہو بہرزہ بیاباں نورد وہم وجود
ہنوز تیرے تصور میں ہے نشیب و فراز

وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہاں
کہ دیجے آئینۂ انتظار کو پرواز

ہر ایک ذرۂ عاشق ہے آفتاب پرست
گئی نہ خاک ہوئے پر ہوائے جلوۂ ناز

نہ پوچھ وسعت میخانۂ جنوں غالب
جہاں یہ کاسۂ گردوں ہے ایک خاک انداز

نہ گلِ نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز — میں ہوں اپنی شکست کی آواز

تو اور آرائشِ خمِ کاکل — میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

لافِ تمکیں فریبِ سادہ دلی — ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گداز

ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد — ورنہ باقی ہے طاقتِ پرواز

وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے — ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز

نہیں دل میں مرے وہ قطرۂ خوں — جس سے مژگاں ہوئی نہ ہو گلباز

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز — اے ترا ظلم سر بسر انداز

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو — ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا — میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا — اے دریغا وہ رندِ شاہد باز

ردیف السین

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے — دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

جگرِ تشنۂ آزار تسلی نہ ہوا — جوئے خوں ہم نے بہائی بنِ ہر خار کے پاس

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے ہے — خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

میں بھی رک رک کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے — دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

وہیں شہر میں ہیں جا بیٹھیں کیونکر اہل دل   بیٹھے ہی ہو جیں خوبان دل آزار کے پاس
دیکھ کر تجھکو چمن بسکہ نمو کرتا ہے   خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے
بیٹھنا اوسکا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

ردیف الشین

نہ لیوے گر خس جوہر طراوت سبزۂ خط سے   لگاوے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

فروغ حسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق
نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

ردیف الغین

جادۂ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعاع   چرخ وا کرتا ہے ماہ نو سے آغوش وداع

ولہ

رخ نگار سے ہے سوز جاودانی شمع   ہوئی ہے آتش گل آب زندگانی شمع
زبان اہل زبان میں ہے مرگ خاموشی   یہ بات بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع
کرے ہے صرف بایمائے شعلہ قصہ تمام   بطرز اہل فنا ہے فسانہ خوانی شمع
غم اسکو حسرت پروانہ کا ہے اے شعلہ   ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع

ترے خیال

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے
بہ جلوہ ریزیِ باد و بہ پرفشانیِ شمع

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ
شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانیِ شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
اسد ہے دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع

ردیف الفاء

بیمِ رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش
مجبور یاں تلک ہوئے اے اختیار حیف

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے
اے ناتمامیِ نفسِ شعلہ بار حیف

ردیف الکاف

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک
کیا مزہ ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل
ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

مجھ کو ارزانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو
نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

شورِ جولاں تھا کنارِ بحر پر کس کا کہ آج
گردِ ساحل ہے بہ زخمِ موجۂ دریا نمک

داد دیتا ہے مرے زخمِ جگر کی واہ واہ
یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک

چھوڑ کر جانا تنِ مجروحِ عاشق حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہیں اعضا نمک

غیر کی منت نہ کھینچوں گا پئے توفیرِ درد
زخم مثلِ خندۂ قاتل ہے سر تا پا نمک

یاد ہیں غالب تجھے وہ دن کہ وجدِ ذوق میں
زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

وہ

ردیف الکاف

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پرتو خور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
میں بھی ہوں ایک عنایت کی نظر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل
گرمی بزم ہے اک رقص شرر ہونے تک

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

ردیف الگاف

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ
یعنی بغیر یک دل بے مدعا نہ مانگ

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد
مجھ سے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ مانگ

ردیف اللام

ہے کس قدر ہلاک فریب وفائے گل
بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف
ٹوٹے پڑے ہیں حلقۂ دام ہوائے گل

جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا
اے وائے نالۂ لب خونیں نوائے گل

خوش حال اس حریف سیہ مست کا کہ جو
رکھتا ہو مثل سایۂ گل سر بپائے گل

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لیے بہار
میرا رقیب ہے نفسِ عطر سائے گل

شرمندہ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے
مینائے بے شراب و دلِ بے ہوائے گل

سطوت سے تیرے جلوۂ حسنِ غیور کی
خوں ہے مری نگاہ میں رنگِ ادائے گل

تیرے ہی جلوے کا ہے یہ دھوکا کہ آج تک
بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

غالب مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو
جس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

وله

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم

محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
ہیں ورق گردانیٔ نیرنگِ یک بت خانہ ہم

باوجودِ یک جہاں ہنگامہ پیدائی نہیں
ہیں چراغانِ شبستانِ دلِ پروانہ ہم

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترکِ جستجو
ہیں وبالِ تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہ ہم

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد
جانتے ہیں سینۂ پر خوں کو زنداں خانہ ہم

ردیف المیم

بنالہ حاصلِ دل بستگی فراہم کر
متاعِ خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

وله

مجھ کو دیارِ غیر میں مارا وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا
رکھ لیجو میرے دعوئ وارستگی کی شرم

ردیف النون

ہوں دام بخت خفتہ سے اک خواب خوش ولے
غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

ولہ

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

فرصت کار و بار شوق کسے
ذوق نظارۂ جمال کہاں

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا
شور سودائے خط و خال کہاں

تھی وہ اک شخص کے تصور سے
اب وہ رعنائی خیال کہاں

ایسا آساں نہیں لہو رونا
دل میں طاقت جگر میں حال کہاں

ہم سے چھوٹا قمار خانۂ عشق
وہاں جو جاویں گرہ میں مال کہاں

فکر دنیا میں سر کھپاتا ہوں
میں کہاں اور یہ وبال کہاں

مضمحل ہو گئے قویٰ غالب
وہ عناصر میں اعتدال کہاں

ولہ

آبرو کیا خاک اس گل کی کہ گلشن میں نہیں
ہے گریباں ننگ پیراہن جو دامن میں نہیں

ضعف سے اے گریہ کچھ باقی مرے تن میں نہیں
رنگ ہو کر اڑ گیا جو خوں کہ دامن میں نہیں

ہو گئے ہیں جمع اجزائے نگاہ آفتاب
ذرے اس کے گھر کی دیواروں کے روزن میں نہیں

کیا کہوں تاریکی زندان غم اندھیر ہے
پنبہ نور صبح سے کم جس کے روزن میں نہیں

رونق ہستی ہے عشقِ خانہ ویراں ساز سے
انجمن بے شمع ہے گر برق خرمن میں نہیں

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جوئی کا ہے طعن
غیر سمجھا ہے کہ لذت زخمِ سوزن میں نہیں

بسکہ ہیں ہم اک بہارِ ناز کے مارے ہوئے
جلوۂ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں

قطرہ قطرہ اک ہیولیٰ ہے نئے ناسور کا
خوں بھی ذوقِ درد سے فارغ مرے تن میں نہیں

ہو گئی ہے ضعف میں کیا ناتوانی کی نمو
قد کے جھکنے کی بھی گنجائش مرے تن میں نہیں

لے گئی ساقی کی نخوت قلزم آشامی مری
موجِ مے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں

تھی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشتِ خس کہ گلخن میں نہیں

ولہ

عہدے سے مدحِ ناز کے باہر نہ آ سکا
گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں

حلقے ہیں چشم ہائے کشادہ بسوئے دل
ہر تارِ زلف کو نگہِ سرمہ سا کہوں

میں اور صد ہزار نوائے جگر خراش
تو اور ایک وہ نہ شنیدن کہ کیا کہوں

ظالم مرے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ
ہے ہے خدا نہ کردہ تجھے بے وفا کہوں

ولہ

ہم سے کھل جاؤ بوقتِ مے پرستی ایک دن
ورنہ ہم چھیڑیں گے رکھ کر عذرِ مستی ایک دن

غرۂ اوجِ بنائے عالمِ امکاں نہ ہو
اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پستی ایک دن

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لاوے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے
بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

دھول دھپا اس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
ہم ہی کر بیٹھے تھے غالبؔ پیش دستی ایک دن

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

ضعف میں طعنۂ اغیار کا شکوہ کیا ہے
بات کچھ سر تو نہیں ہے کہ اٹھا بھی نہ سکوں

زہر ملتا ہی نہیں مجھ کو ستمگر ورنہ
کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی نہ سکوں

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

شوق اس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ غیر از نگہ دیدۂ تصویر نہیں

حسرت لذت آزار رہی جاتی ہے
جادۂ راہ وفا جز دم شمشیر نہیں

رنج نومیدی جاوید گوارا رہیو
خوش ہوں گر نالہ زبونی کش تاثیر نہیں

سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہو جائے
لذت سنگ بہ اندازۂ تقریر نہیں

جب کرم رخصت بیباکی و گستاخی دے
کوئی تقصیر بجز خجلت تقصیر نہیں

غالبؔ اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخؔ
آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میرؔ نہیں

خلیق ٹونکی

عشق تاثیر سے نومید نہیں
جاں سپاری شجرِ بید نہیں

سلطنت دست بدست آئی ہے
جامِ مے خاتمِ جمشید نہیں

ہے تجلی تری سامانِ وجود
ذرہ بے پرتوِ خورشید نہیں

رازِ معشوق نہ رسوا ہو جائے
ورنہ مر جانے میں کچھ بھید نہیں

گردشِ رنگِ طرب سے ڈر ہے
غمِ محرومیِ جاوید نہیں

کہتے ہیں جیتے ہیں امید پہ لوگ
ہم کو جینے کی بھی امید نہیں

ولہ

برشگالِ گریۂ عاشق ہے دیکھا چاہیے
کھل گئی مانندِ گل سو جا سے دیوارِ چمن

الفتِ گل سے غلط ہے دعویِ وارستگی
سرو ہے با وصفِ آزادی گرفتارِ چمن

ولہ

مت مردمکِ دیدہ میں سمجھو یہ نگاہیں
ہیں جمع سویدائے دلِ چشم میں آہیں

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

دل آشفتگاں خالِ کنجِ دہن کے
سویدا میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں

ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

تماشا کہ اے محوِ آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

سراغِ تفِ نالہ لے داغِ دل سے — کہ شب رو کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب — تماشائے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ولہ

ذکر میرا بہ بدی بھی اسے منظور نہیں — غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دور نہیں
وعدۂ سیرِ گلستاں ہے خوشا طالعِ شوق — مژدۂ قتل مقدر ہے جو مذکور نہیں
شاہدِ ہستیِ مطلق کی کمر ہے عالم — لوگ کہتے ہیں کہ ہے پر ہمیں منظور نہیں
قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن — ہم کو تقلیدِ تنک ظرفیِ منصور نہیں
حسرت اے ذوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی — عشقِ پر عربدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں
میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں — کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ ہم حور نہیں
ظلم کر ظلم اگر لطف دریغ آتا ہو — تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں
صاف دُردی کشِ پیمانۂ جم ہیں ہم لوگ — وائے وہ بادہ کہ افشردۂ انگور نہیں
ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب — میرے دعوے پہ یہ حجت ہے کہ مشہور نہیں

ولہ

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں — ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں
عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو کیا خوب — ہم کو تسلیم نکونامیِ فرہاد نہیں
کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم — دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں
اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب — لطمۂ موج کم از سیلیِ استاد نہیں

الٰہی

رنگ تمکینِ گل و لالہ پریشاں کیوں ہے
گر چراغانِ سرِ رہگذرِ باد نہیں

وائے محرومیِ تسلیم و بدا حالِ وفا
جانتا ہے کہ ہمیں طاقتِ فریاد نہیں

سبزہ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں
مژدہ اے مرغ کہ گلزار میں صیاد نہیں

نفی سے کرتی ہے اثبات تراوش گویا
دی ہے جائے دہن اوسکو دمِ ایجاد نہیں

کم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے بہشت
یہی نقشہ ہے ولے اسقدر آباد نہیں

کرتے کس منہ سے ہو غربت کی شکایت غالب
تمکو بے مہریِ یارانِ وطن یاد نہیں

وله

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
تعجب سے وہ بولا یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں

دلِ نازک پہ اوسکی رحم آتا ہے مجھے غالب
نہ کر سرگرم اوس کافر کو الفت آزمانے میں

وله

دل لگا کر لگ گیا اونکو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بیکسی کی ہمنے پائی داد یہاں

ہیں زوال آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
مہرِ گردوں ہے چراغِ رہگذارِ باد یہاں

وله

ہو گئی ہے غیر کی شیریں بیانی کارگر
عشق کا اوسکو گماں ہم بے زبانوں پر نہیں

وله

تیرے توسن کو صبا باندھتے ہیں
ہم بھی مضموں کی ہوا باندھتے ہیں

آہ کا کسنے اثر دیکھا ہے
ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں

تیری فرصت کے مقابل اے عمر
برق کو پا بحنا باندھتے ہیں

قیدِ ہستی سے رہائی معلوم
اشک کو بے سر و پا باندھتے ہیں

نشۂ رنگ سے ہے واشدِ گل
مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں

غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

اہلِ تدبیر کی واماندگیاں
آبلوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پرکار ہیں خوباں کہ اسد
ہم سے پیمانِ وفا باندھتے ہیں

زمانہ سخت کم آزار ہے بجانِ اسد
وگرنہ ہم تو توقع زیادہ رکھتے ہیں

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں
یعنی ہمارے جیب میں اک تار بھی نہیں

دل کو نیازِ حسرتِ دیدار کر چکے
دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں

ملنا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہے اور یاں
طاقت بقدرِ لذتِ آزار بھی نہیں

شوریدگی کے ہاتھ سے ہے سر وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

گنجائشِ عداوتِ اغیار اک طرف
یاں دل میں ضعف سے ہوسِ یار بھی نہیں

ڈر نالہ ہائے زار سے میرے خدا کو مان
آخر نوائے مرغِ گرفتار بھی نہیں

دل میں ہے یار کی صفِ مژگاں سے روکشی
حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسد کو خلوت و جلوت میں بارہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

یہ جو ہم ہجر میں دیوار و در کو دیکھتے ہیں
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

نظر لگے نہ کہیں اوس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن میں
ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن میں

ہوئی ہے مانع ذوق تماشا خانہ ویرانی
کف سیلاب باقی ہے برنگ پنبہ روزن میں

ودیعت خانۂ بیداد کاوشہائے مژگاں ہوں
نگین نام شاہد ہے مرا ہر قطرہ خوں تن میں

بیاں کس سے ہو ظلمت گستری میرے شبستاں کی
شب مہ ہو جو رکھ دوں پنبہ دیواروں کے روزن میں

نکوہش مانع بے ربطی شور جنوں آئی
ہوا ہے خندۂ احباب بخیہ جیب و دامن میں

ہوئے اوس مہروش کے جلوۂ تمثال کے آگے
پر افشاں جوہر آئینے میں مثل ذرہ روزن میں

نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبت مخالف ہے
جو گل ہوں تو ہوں گلخن میں جو خس ہوں تو ہوں گلشن میں

ہزاروں دل دیے جوش جنون عشق نے مجھکو
سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

اسد زندانی تاثیر الفتہائے خوباں ہوں
خم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

مزے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں

مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لیجائے
وگرنہ تاب و تواں بال و پر میں خاک نہیں

یہ کس بہشت شمایل کی آمد آمد ہے
کہ غیر جلوۂ گل رہگذر میں خاک نہیں

بہلا اوسے نہیں بہی کچہ مجہی کو رحم آتا
اثر مرے نفس بے اثر میں خاک نہیں

خیال جلوۂ گل سے خراب ہیں میکش
شراب خانہ کے دیوار و در میں خاک نہیں

ہوا ہوں عشق کی غارتگری سے شرمندہ
سوای حسرت تعمیر گہر میں خاک نہیں

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد
کہلا کہ فایدہ عرض ہنر میں خاک نہیں

وله

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکہا کہ یوں
بوسہ کو پوچہتا ہوں میں منہ سے مجہے بتا کہ یوں

پرسش طرز دلبری کیجیے کیا کہ بن کہے
اوسکے ہر ایک اشارہ سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں

رات کے وقت مے پیے ساتہ رقیب کو لیے
آوے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں

غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکہیے
سامنے آن بیٹہنا اور یہ دیکہنا کہ یوں

بزم میں اوسکے روبرو کیوں نہ خموش بیٹہیے
اوسکی تو خامشی میں بہی ہے یہی مدعا کہ یوں

مینے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سنکے ستم ظریف نے مجکو اوٹہا دیا کہ یوں

مجہ سے کہا جو یار نے جاتے ہیں ہوش کسطرح
دیکہکے میری بیخودی چلنے لگی ہوا کہ یوں

کب مجہے کوی یار میں رہنے کی وضع یاد تہی
آینہ دار بن گئی حیرت نقش پا کہ یوں

گر ترے دل میں ہو خیال وصل میں شوق کا زوال
موج محیط آب میں مارے ہے دست و پا کہ یوں

جو یہ کہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک فارسی
گفتۂ [illegible] ایکبار پڑہ کے اوسے سنا کہ یوں

کسی

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

بقدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی
بھروں یک گوشۂ دامن گر آبِ ہفت دریا ہو

اگر وہ سرو قد گرمِ خرامِ ناز آ جاوے
کفِ ہر خاکِ گلشن شکلِ قمری نالہ فرسا ہو

ولہ

وارستہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں نہ ہو
کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

چھوڑا نہ مجھ میں ضعف نے رنگ اختلاط کا
ہے دل پہ بار نقشِ محبت ہی کیوں نہ ہو

ہے مجھ کو تجھ سے تذکرۂ غیر کا گلہ
ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں نہ ہو

پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا
یوں ہو تو چارۂ غمِ الفت ہی کیوں نہ ہو

ڈالا نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ
اپنے سے کھینچتا ہوں خجالت ہی کیوں نہ ہو

ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ہنگامۂ زبونیِ ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

مٹتا ہے فوتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
عمرِ عزیز صرفِ عبادت ہی کیوں نہ ہو

وارستگی بہانۂ بیگانگی نہیں
اپنے سے کر نہ غیر سے وحشت ہی کیوں نہ ہو

اوس فتنہ خو کے در سے اب اوٹھتے نہیں اسد
اسمیں ہمارے سر پر قیامت ہی کیوں نہ ہو

ولہ

وہاں اوسکو ہولِ دل ہے تو یہاں میں ہوں شرمسار
یعنی یہ میری آہ کی تاثیر سے نہ ہو

اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ
آئینہ تاکہ دیدۂ نخچیر سے نہ ہو

دیے سادے گئے سب جانب ہر دوں کو مکن کے پاؤں

دیونا ہوں جب میں پینے کو اوس بسم تن ہنگے پاؤں

بہا گئے نہیں ہم بہت سوادِ سبکی سبر انبہ

مرہم کے جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور

السد رہی ذوقِ دشت نوردی کہ بعد مرگ

ہے جوش گل بہار میں یہاں تک کہ ہر طرف

بیچارہ کیسے دور سے آیا ہے شیخ جی

شب کو کسو کے خواب میں آیا نہو کہیں

سر ہے کلام میں کیونکر مزا نہو

اور بیگے کو کجہ میں غش آتا ہے پیہم ہی ہمکو

دل کو میں اور مجھے دل محو وفا رکھتا ہے

ضعف سے نقشِ پای مور ہی طوقِ گردن

جان کر کیجیے تغافل کہ کچھ امید بھی ہو

رشک ہم طرحی و دردِ اثرِ بانگ حزیں

سر اوڑانین کے جو وعدہ کو مکرر چاہا

بہبہات کیوں نہ ٹوٹ گئے پیرزن کے پاؤں

رکھتا ہے ضد سے کھینچکی باہر لگن کے پاؤں

ہو کر اسیر دابتے ہیں راہزن کے پاؤں

تن سے سوا فگار ہیں اس خستہ تن کے پاؤں

ہلتے ہیں خود بخود مری اندر کفن کے پاؤں

اوڑنے نہو ادلجھتے ہیں مرغ چمن کے پاؤں

کعبہ میں کیوں دبا ہیں نہ برہمن کے پاؤں

ڈہکتے ہیں آج اوس بت نازک بدن کے پاؤں

بیٹا ہوں دیو کے خسرو شیرین سخن کے پاؤں

صد رہ آہنگ زمیں بوس قدم ہی ہمکو

کسقدر ذوقِ گرفتاری ہم ہی ہمکو

نہ کی توجہ ہے کہاں طاقتِ رم ہی ہمکو

یہ اتک وہ غلط انداز تو ستم ہی ہمکو

نالۂ مرغِ سحر تیغ دو دم ہی ہمکو

ہنسکی بولے کہ ترے سر کی قسم ہی ہمکو

دکنی قوں انانا

دل کے خوں کرنے کی کیا وجہ ولیکن ناچار
پاس بے رونقیِ دیدہ اہم ہے ہم کو

تم وہ نازک کہ خموشی کو فغاں کہتے ہو
ہم وہ عاجز کہ تغافل بھی ستم ہے ہم کو

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھلتا یعنی
ہوسِ سیر و تماشا سو وہ کم ہے ہم کو

مقطعِ سلسلۂ شوق نہیں ہے یہ شہر
عزمِ سیرِ نجف و طوفِ حرم ہے ہم کو

لیے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالبؔ
جادۂ رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جائیے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

ہے سبزہ زار ہر در و دیوارِ غمکدہ
جس کی بہار یہ ہو پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

ناچار بیکسی کی بھی حسرت اٹھائیے
دشواریِ رہ و ستمِ ہمرہاں نہ پوچھ

از مہر تا بہ ذرہ دل و دل ہے آئنہ
طوطی کو شش جہت سے مقابل ہے آئنہ

صد جلوہ رو برو ہے جو مژگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے

ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق
یعنی ہنوز منتِ طفلاں اٹھائیے

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم
ای خانماں خراب نہ احسان اوٹھائیے

یا میرے زخم رشک کو رسوا نہ کیجئے
یا پردۂ تبسم پنہاں اوٹھائیے

مسجد کے زیر سایہ خرابات چاہیے
بھوں پاس آنکھ قبلۂ حاجات چاہیے

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

دے داد اے فلک دل حسرت پرست کی
ہاں کچھ نہ کچھ تلافیٔ مافات چاہیے

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

نشو و نمای اصل سے   فروع کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جو بات چاہیے

ہے رنگ لالہ و گل و نسریں جدا جدا
ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے

سر پای خم پہ چاہیے ہنگام بیخودی
رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے

یعنی بحسب گردش پیمانۂ صفات
عارف ہمیشہ مست مے ذات چاہیے

بساط عجز میں تھا ایک دل یک قطرہ خوں وہ بھی
سو رہتا ہے باندازِ چکیدن سرنگوں وہ بھی

رہے اوس شوخ سے آزردہ ہم چندے تکلف سے
تکلف برطرف تھا ایک انداز جنوں وہ بھی

خیال مرگ کب تسکیں دل آزردہ کو بخشے
مرے دام تمنا میں ہے ایک صید زبوں وہ بھی

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم
کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی

[illegible]

جیسے نرم زباں میں سخن آزردہ لبوں تک ہے
جیسے دور رفتہ میں جیسے پریشانیٔ صہبا
رنداں در میکدہ گستاخ ہیں زاہد
بیدل و نقاد یکے جاتے رہے آخر
تا ہمکو شکایت کی بھی باقی نہ رہے جا
تیرا احوال سنا دینگے ہم اونکو
غم دنیا سے گر پائی بھی فرصت سر اوٹھانیکی
کہو لیکھا کس طرح مضموں مرے مکتوب کا یا رب
لکھا ہے نامیں شعلہ آتش کا آساں جیسے
اونہیں منظور اپنے زخموں کا دیکھنہ آیا تھا
ہمارے سادگی تھی التفات ناز پر مرنا
لگد کوب حوادث کا تحمل کر نہیں سکتے
کہیں کب جو نیلے اوضاع ابنائے زمان
ہے حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھ اے آرزو خرامی
اوس شمع کی طرح سے جسکو کوئی بجھا دے

تنگ آئے ہیں ہم ایسے خوشامد طلبوں سے
یک بار لگا دو خم مے میرے لبوں سے
زنہار رہو با ظرف اون بے ادبوں سے
ہر چند مرے جانکو تھا ربط لبوں سے
بس لیتے ہیں کو ذکر ہمارا نہیں کرتے
وہ سنتے ہو لالیں بھی اجارہ نہیں کرتے
فلک کا دیکھنا تقریب تیری یاد آ جانے
قسم کہائے جیسے اوس کا فر کے کاغذ کے جلا جانے
ولے مرگ خفت جیسے حکمت دلمیں سوز غم چھپا جانے
اوٹھی ہیں سیر گلکو دیکھنا شوخی بہانے
تیرا آنا نہ تھا ظالم مگر تمہید جانے کی
مرے ظرف کی تمہ میں نہیں ہیتو نکی بار اوٹھانیکی
بدی کرتے او نے جس سے ہمنے کی تھی یار انکی
دل جوش گریہ میں ڈوبے ہوئے آتا ہے
میں بھی جلی ہوئی ہوں داغ ناکامی

کیا تنگ ہم ستم زدگاں کا جہان ہے
جس میں کہ ایک بیضۂ مور آسمان ہے

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے

حالانکہ ہے یہ سیلیِ خارا سے لالہ رنگ
غافل کو میرے شیشے پہ مے کا گمان ہے

کی اس نے گرم سینۂ اہلِ ہوس میں جا
آوے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے

کیا خوب تم نے غیر کو بوسہ نہیں دیا
بس چپ رہو ہمارے بھی منہ میں زبان ہے

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوارِ یار میں
فرماں روائے کشورِ ہندوستان ہے

ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

ہے بارے اعتمادِ وفاداری اس قدر
ہم اس میں خوش ہیں کہ نامہربان ہے

سرگشتگی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
تسکیں کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے

لیتا نہیں مرے دلِ آوارہ کی خبر
اب تک وہ جانتا ہے کہ میرے ہی پاس ہے

کیجیے بیاں سرورِ تبِ غم کہاں تلک
ہر مو مرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے

ہے وہ غرورِ حسن سے بیگانۂ وفا
ہر چند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے

پی جس قدر ملے شبِ مہتاب میں شراب
اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے

ہر اک مکان کو ہے مکیں سے شرف
مجنوں جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

گر خامشی سے فائدہ اخفائے حال ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

کس کو سناؤں حسرت اظہار کا گلا
دل فرد جمع و خرچ زباں ہای لال ہے

کس پردہ میں ہے آئینہ پرداز ای خدا
رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے

ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی
ای شوق منفعل یہ تجھے کیا خیال ہے

مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جان
ناف زمیں ہے نہ کہ ناف غزال ہے

وحشت پہ میری عرصۂ آفاق تنگ ہے
دریا زمیں کو عرق انفعال ہے

ہستی کے مت فریب میں آ جائیو اسد
عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

ایک جا حرف وفا لکھا تھا سو بھی مٹ گیا
ظاہرا کاغذ ترے خط کا غلط بردار ہے

جی جلے ذوق فنا کی ناتمامی پر نہ کیوں
ہم نہیں جلتے نفس ہر چند آتش بار ہے

آگ سے پانی میں بجھتے وقت اوٹھتی ہے صدا
ہر کوئی درماندگی میں نالہ سے ناچار ہے

ہے وہی بدمستی ہر ذرہ کا خود عذر خواہ
جس کے جلوہ سے زمیں تا آسماں سرشار ہے

مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی زندگی
زندگی سے بھی مرا جی ان دنوں بیزار ہے

آنکھ کی تصویر سرنامے پہ کھینچی ہے کہ تا
تجھ پہ کھل جاوے کہ مجھکو حسرت دیدار ہے

میری ہستی فضای حیرت آباد تمنا ہے
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا عنقا ہے

خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی موسم ہو
وہی ہم ہیں قفس ہے اور ماتم بال و پر کا ہے

وفای دلبراں ہے اتفاقی ورنہ ای ہمدم
اثر فریاد دلہای حزیں کا کس نے دیکھا ہے

نہ لائی شوخئ اندیشہ تاب رنج نومیدی　　کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے

عشق مجھکو نہیں وحشت ہی سہی　　میری وحشت تری شہرت ہی سہی

قطع کیجے نہ تعلق ہمسے　　کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہے کیا رسوائی　　اے وہ مجلس نہیں خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے　　غیر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو　　آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمر ہر چند کہ ہے برق خرام　　دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

کچھ تو دے اے فلک نا انصاف　　آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالینگے　　بے نیازی تری عادت ہی سہی

ہم کوئی ترک وفا کرتے ہیں　　نہ سہی عشق مصیبت ہی سہی

یار سے چھیڑ چلی جای اسد　　گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

ہیبت میں گذرتے ہیں جو کوچے سے وہ میرے　　کندھا بھی کہاروں کو بدلنے نہیں دیتے

ہے آرمیدگی میں نکوہش بجا مجھے　　صبح وطن ہے خندۂ دنداں نما مجھے

ڈھونڈھے ہے اوس مغنی آتش نفس کو جی　　جسکی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے

نفس نہ

مستانہ طے کروں ہوں رہ وادیٔ خیال / تا بازگشت سے نہ رہے مدعا مجھے

کرتا ہے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں / آنے لگی ہے نکہت گل سے حیا مجھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ / شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری / ہم بھی کیا یاد کرینگے کہ خدا رکھتے تھے

رفتار عمر قطع رہ اضطراب ہے / اس سال کے حساب کو برق آفتاب ہے

مینائے مے ہے سرو نشاط بہار سے / بال تدرو جلوہ موج شراب ہے

جاداد بادہ نوشی رنداں ہے شش جہت / غافل گماں کرے ہے کہ خراب ہے

زخمی ہوا ہے پاشنہ پائے ثبات کا / جوش بہار جلوہ کو جس کے نقاب ہے

نے بھاگنے کی گوں نہ اقامت کی تاب ہے
نظارہ کیا حریف ہو اس برق حسن کا

میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں / مانا کہ تیری رخ سے نگہ کامیاب ہے

گذرا مسرت پیغام یار سے / قاصد پہ مجھکو رشک سوال و جواب ہے

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے / میں اوسے دیکھوں بھلا کب مجھسے دیکھا جائے ہے

ہاتھ دھو دل سے یہی گرمی گر اندیشے میں ہے / آبگینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

غیر کو یارب وہ کیونکر منع گستاخی کرے / گر حیا بھی اوسکو آتی ہے تو شرما جائے ہے

شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائیے / دل کی وہ حالت کہ دم لینے میں گھبرا جائے ہے

دور چشم بد تری بزم طرب سے واہ واہ / نغمہ ہو جاتا ہے واں گر نالہ میرا جائے ہے

گرچہ ہے طرز تغافل پردہ دار راز عشق
پر ہم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے

اس کی بزم آرائیاں سن کر دل رنجور یاں
مثل نقش مدعائے غیر بیٹھا جائے ہے

ہو کے عاشق وہ پری رخ اور نازک بن گیا
رنگ کھلتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہیں
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

سایہ میرا مجھ سے مثل دود بھاگے ہے اسد
پاس مجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے
تب اماں ہجر میں دی برد لیالی نے مجھے

نسیہ و نقد دو عالم کی حقیقت معلوم
لے لیا مجھ سے مری ہمت عالی نے مجھے

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاری وہم
کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے

ہوس گل کے تصور میں بھی کھٹکا نہ رہا
عجب آرام دیا بے پر و بالی نے مجھے

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ ساماں ہے
برق خرمن راحت خون گرم دہقاں ہے

غنچہ تا شگفتن ہا برگ عافیت معلوم
باوجود دلجمعی خواب گل پریشاں ہے

ہم سے رنج بیتابی کس طرح اٹھایا جائے
داغ پشت دست عجز شعلہ خس بدنداں ہے

اوگ رہا ہے در و دیوار سے سبزہ
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

سادگی پر اس کی مر جانے کی حسرت دل میں ہے
بس نہیں چلتا کہ پھر خنجر کف قاتل میں ہے

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

گرچہ ہے کس کس برائی سے ولے با ایں ہمہ
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائیگی
یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے

رنج رہ کیوں کھینچیے واماندگی کو عشق ہے
اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے

جلوہ زار آتش دوزخ ہمارا دل سہی
فتنۂ شور قیامت کس کی آب و گل میں ہے

ہے دل شوریدۂ [illegible] طلسم پیچ و تاب
رحم کر اپنی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

ول

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

شق ہو گیا ہے سینہ خوشا لذت فراغ
تکلیف پردہ داریِ زخم جگر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھیے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

اڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
باری اب اے ہوا ہوس بال و پر گئی

دیکھو تو دلفریبی انداز نقش پا
موج خرام یار بھی کیا گل کتر گئی

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

نظارہ نے بھی کام کیا واں نقاب کا
مستی سے ہر نگہ ترے رخ پر بکھر گئی

فردا و دی کا تفرقہ یکبار مٹ گیا
کل تم گئے کہ ہم پہ قیامت گذر گئی

مارا زمانہ نے [illegible] تمہیں
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

ولہ

پھر کچھ اک دل کو بیقراری ہے
سینہ جویائے زخم کاری ہے

پھر جگر کھودنے لگا ناخن — آمدِ فصلِ لالہ کاری ہے

قبلۂ مقصدِ نگاہِ نیاز — پھر وہی پردۂ عماری ہے

چشم دلالِ جنسِ رسوائی — دل خریدارِ ذوقِ خواری ہے

وہی صد رنگ نالہ فرسائی — وہی صد گونہ اشک باری ہے

دل ہوائے خرامِ ناز سے پھر — محشرستانِ بیقراری ہے

جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے — روزِ بازارِ جاں سپاری ہے

پھر اسی بے وفا پہ مرتے ہیں — پھر وہی زندگی ہماری ہے

پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز — گرم بازارِ فوجداری ہے

ہو رہا ہے جہاں میں اندھیر — زلف کی پھر سررشتہ داری ہے

پھر دیا پارۂ جگر نے سوال — ایک فریاد و آہ و زاری ہے

پھر ہوئے ہیں گواہِ عشق طلب — اشک باری کا حکم جاری ہے

دل و مژگاں کا جو مقدمہ تھا — آج پھر اس کی روبکاری ہے

بیخودی بے سبب نہیں غالب — کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

وله

جنوں تہمت کشِ تسکیں نہ ہو گر شادمانی کی — نمک پاشِ خراشِ دل ہے لذت زندگانی کی

اگر

وله

کن کنے ہای ہیں جسنے سپے آرکیا سج آرا ہے
ہوی زنجیر موج آب کو فرصت روانی کی

پس از مردن بہی دیوانہ زیارت کو مری آیا
شرار سنگ نے تربت پہ مری گلفشانی کی

وله

نکوہش ہے سزا فریادی بیداد دلبر کی
مبادا خندۂ دندان نما ہو صبح محشر کی

رگ لیلی کو خاک دشت مجنوں ریشگی بخشے
اگر بووے بجای دانہ دہقاں نوک نشتر کی

پر پروانہ شاید بادبان کشتی مے تہا
ہوی مجلس کی گرمی سے روانی دور ساغر کی

کروں بیداد ذوق پرفشانی عرض کیا قدرت
کہ طاقت اوڑ گئی اوڑنے سے پہلی میرے شہپر کی

کہاں تک روؤں اوسکی خیمہ کے پیچھے قیامت ہے
مری قسمت میں یارب کیا نہ تہی دیوار پتہر کی

وله

بے اعتدالیوں سے سبک سب میں ہم ہوے
جتنے زیادہ ہو گئے اوتنے ہی کم ہوے

پنہاں تہا دام سخت قریب آشیان کے
اوڑنے نہ پاے تہی کہ گرفتار ہم ہوے

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے
یہاں تک مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوے

سختی کشان عشق کی پوچہے ہے کیا خبر
وہ لوگ رفتہ رفتہ سراپا الم ہوے

تیری وفا سے کیا ہو تلافی کہ دہر میں
تیرے سوا بہی ہم پہ بہت سے ستم ہوے

لکہتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں
ہرچند اس میں ہاتہ ہمارے قلم ہوے

اللہ ری تیری تندی خو جسکی بیم سے
اجزای نالہ دل میں مرے رزق ہم ہوے

اہل ہوس کی فتح ہے ترک نبرد عشق
جو پاؤں اوٹہ گئے وہی اونکے علم ہوے

نالۂ عدم میں چند ہمارے سپرد تھے — جو واں نہ کھنچ سکے سو وہ یاں آکے دم ہوئے

چھوڑی اسدؔ نہ ہم نے گدائی میں دل لگی — سائل ہوئے تو عاشقِ اہلِ کرم ہوئے

ولہ

رحم کر ظالم کہ کیا بودِ چراغِ کشتہ ہے — نبضِ بیمارِ وفا دودِ چراغِ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہے ہمیں — ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ کشتہ ہے

ولہ

چشمِ خوباں خامشی میں بھی نوا پرداز ہے — سرمہ تو کہوے کہ دودِ شعلہ آواز ہے

پیکرِ عشاق سازِ طالعِ ناساز ہے — نالہ گویا گردشِ سیارہ کی آواز ہے

دستگاہِ دیدۂ خوں بارِ مجنوں دیکھنا — یک بیاباں جلوۂ گل فرشِ پا انداز ہے

ولہ

جو نہ نقدِ داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی — تو فسردگی نہاں ہے بکمینِ بے زبانی

مجھے اس سے کیا توقع بزمانۂ جوانی — کبھی کودکی میں جس نے نہ سنی مری کہانی

یوں ہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا — کہ مرے عدو کو یارب ملے میری زندگانی

ولہ

ظلمت کدے میں میرے شبِ غم کا جوش ہے — اک شمع ہے دلیلِ سحر سو خموش ہے

نے مژدۂ وصال نہ نظارۂ جمال — مدت ہوئی کہ آشتیِ چشم و گوش ہے

ہو کر شہیدِ عشق میں پائے ہزار جسم — ہر موجِ گردِ راہ مرے سر کو دوش ہے

مینے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب — اے شوق ہاں اجازتِ تسلیمِ ہوش ہے

گوہر کو عقدِ گردنِ خوباں میں دیکھنا — کیا اوج پر ستارۂ گوہر فروش ہے

دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست — بزم خیال میکدۂ بے خروش ہے

اے تازہ واردان بساط ہوائے دل — زنہار اگر تمہیں ہوس نائے و نوش ہے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو — میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہے

ساقی بجلوہ دشمن ایمان و آگہی — مطرب بہ نغمہ رہزن تمکین و ہوش ہے

ق

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامان باغبان و کف گل فروش ہے

لطف خرام ساقی و ذوق صدائے چنگ — یہ جنت نگاہ وہ فردوس گوش ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں — نے وہ سرور و سور نہ جوش و خروش ہے

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں — غالبؔ صریر خامہ نوائے سروش ہے

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے — طاقت بیداد انتظار نہیں ہے

دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے — نشہ بہ اندازۂ خمار نہیں ہے

گریہ نکالے ہے تیری بزم سے مجھ کو — ہائے کہ رونے پہ اختیار نہیں ہے

ہم سے عبث ہے گمان رنجش خاطر — خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے

دل سے اٹھا لطف جلوہ ہائے معانی — غیر گل آئینۂ بہار نہیں ہے

قتل کا میرے کیا ہے عہد تو بارے — وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم میکشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

ولہ

ہجوم غم سے یاں تک سرنگونی مجھکو حاصل ہے
کہ تار دامن و تار نظر میں فرق مشکل ہے

رفوئے زخم سے مطلب ہے لذت زخم سوزن کی
سمجھیو مت کہ پاس درد سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کرے غالب
چٹکنا غنچۂ گل کا صدائے خندۂ دل ہے

ولہ

پا بدامن ہو رہا ہوں بسکہ میں صحرا نورد
خار پا ہیں جوہر آئینۂ زانو مجھے

دیکھنا حالت مرے دل کی ہم آغوشی کے وقت
ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر مو مجھے

ہوں سراپا ساز آہنگ شکایت کچھ نہ پوچھ
ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں نہ چھیڑے تو مجھے

ولہ

جس بزم میں تو ناز سے گفتار میں آوے
جاں کالبد صورت دیوار میں آوے

سایہ کی طرح ساتھ پھریں سرو و صنوبر
تو اس قد دلکش سے جو گلزار میں آوے

تب ناز گرانمایگی اشک بجا ہے
جب لخت جگر دیدۂ خونبار میں آوے

دے مجھکو شکایت کی اجازت کہ ستمگر
کچھ تجھکو مزا بھی مرے آزار میں آوے

اس چشم فسونگر کا اگر پائے اشارہ
طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آوے

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادی پرخار میں آوے

مرجاؤں نہ کیوں رشک سے جب وہ تن نازک
آغوش خم حلقۂ زنار میں آوے

غارتگر ناموس نہ ہو گر ہوس زر
کیوں شاہد گل باغ سے بازار میں آوے

مرگ

تب چاک گریباں کا مزا ہے دل نالاں
جب اک نفس اولجھا ہوا ہر تار میں آوے

آتشکدہ ہے سینہ مرا راز نہاں سے
اے وائے اگر معرض اظہار میں آوے

گنجینۂ معنے کا طلسم اوسکو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

ولہ

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ سہی
امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ سہی

خار خار الم حسرت دیدار تو ہے
شوق گلچین گلستان تسلی نہ سہی

مے پرستاں خم مے کہ ہے چشم و چراغ صحرا
ایکدن گر نہ ہوا بزم میں ساقی نہ سہی

نفس قیس کہ ہے چشم و چراغ صحرا
گر نہیں شمع سیہ خانۂ لیلی نہ سہی

ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنے نہ سہی

عشرت صحبت خوباں ہی غنیمت سمجھو
نہ ہوئی غالب اگر عمر طبیعی نہ سہی

ولہ

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
کہ اپنے سایہ سے سر پانو سے ہے دو قدم آگے

قضا نے تھا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت
فقط خراب لکھا بس نہ چل سکا قلم آگے

غم زمانہ نے جھاڑی نشاط عشق کی مستی
وگرنہ ہم بھی اوٹھاتے تھے لذت الم آگے

خدا کے واسطے داد اوس جنون شوق کی دینا
کہ اوسکے در پہ پہنچتے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

[illegible]

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھائی ہیں ہم نے — تمہارے آئیو اے طرہ ہائے خم بہ خم آگے

دل و جگر میں پر افشاں جو ایک موجۂ خوں ہے — ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اس کو دم آگے

قسم جنازے پہ آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب — ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

ولہ

تغافل دوست ہوں میرا دماغ عجز عالی ہے — اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے

رہا آباد عالم اہل ہمت کے نہ ہونے سے — بھرے ہیں جس قدر جام و سبو میخانہ خالی ہے

ولہ

کب وہ سنتا ہے کہانی میری — اور پھر وہ بھی زبانی میری

خلش غمزۂ خونریز نہ پوچھ — دیکھ خونابہ فشانی میری

کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار — مگر آشفتہ بیانی میری

ہوں ز خود رفتۂ بیدائے خیال — بھول جانا ہے نشانی میری

متقابل ہے مقابل میرا — رک گیا دیکھ روانی میری

قدر سنگ سر رہ رکھتا ہوں — سخت ارزاں ہے گرانی میری

گرد باد رہ بیتابی ہوں — صرصر شوق ہے بانی میری

دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا — کھل گئی ہیچمدانی میری

کر دیا ضعف نے عاجز غالب — ننگ پیری ہے جوانی میری

ولہ

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے — ہر غنچے کا گل ہونا آغوش کشائی ہے

واں کنگر

وہاں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر — یہاں نالہ کو اور الٹا دعویٰ رسائی ہے

ازبسکہ سکھاتا ہے غم درد کے اندازے — جو داغ نظر آیا اک چشم نمائی ہے

ولہ

نقشِ نازِ بتِ طناز بہ آغوشِ رقیب — پائے طاؤس پئے خامۂ مانی مانگے

تو وہ بدخو کہ تحیر کو تماشا جانے — غم وہ افسانہ کہ آشفتہ بیانی مانگے

وہ تبِ عشق تمنا ہے کہ جوں رشتۂ شمع — شعلہ تا نبضِ جگر ریشہ دوانی مانگے

ولہ

جس زخم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفو کی — لکھ دیجیو یا رب اسے قسمت میں عدو کی

اچھا ہے سرِ انگشتِ حنائی کا تصور — دل میں نظر آتی تو ہے اک بوند لہو کی

کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے — یہاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی

صد حیف وہ ناکام کہ اک عمر سے غالب — حسرت میں رہے ایک بتِ عربدہ جو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو — خنجر نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی

ولہ

سیماب پشت گرمیِ آئینہ دے ہے ہم — حیراں کیے ہوئے ہیں دلِ بے قرار کے

آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے — اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

ولہ

ہے وصل ہجر عالمِ تمکین و ضبط میں — معشوقِ شوخ و عاشقِ دیوانہ چاہیے

اس لب سے مل ہی جائے گا بوسہ کبھی تو ہاں — شوقِ فضول و جرأتِ رندانہ چاہیے

ولہ

چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے — یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے

صحبتِ رنداں سے واجب ہے حذر — جائے مے اپنے کو کھینچا چاہئے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل — کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہئے

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی — منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہئے

دشمنی نے میری کھویا غیر کو — کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہئے

اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی — یار ہی ہنگامہ آرا چاہئے

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید — ناامیدی اوس کی دیکھا چاہئے

م غافل ان مہ طلعتوں کے واسطے — چاہنے والا بھی اچھا چاہئے

مع چاہتے ہیں خوبروؤں کو اسد — ق — آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

ہر قدم دوریِ منزل ہے نمایاں مجھ سے — میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

درسِ عنوانِ تماشا بہ تغافل خوشتر — ور — ہے نگہ رشتۂ شیرازۂ مژگاں مجھ سے

وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں — دود کی طرح رہا سایہ گریزاں مجھ سے

غمِ عشاق نہ ہو سادگی آموزِ بتاں — کس قدر خانۂ آئینہ ہے ویراں مجھ سے

اثرِ آبلہ سے جادۂ صحرائے جنوں — صورتِ رشتۂ گوہر ہے چراغاں مجھ سے

بیخودی بسترِ تمہیدِ فراغت ہو جو — پر ہے سایہ کی طرح میرا شبستاں مجھ سے

بیکسی ہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے ہے — سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

گوئی دیدار

شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مارے
ہو نگہ مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے
آئنہ داریِ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

نگہِ گرم سے ایک آگ ٹپکتی ہے اسدؔ
ہے چراغاں خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

ولہ

چاک کی اگر وحشت بہ عریانی کرے
صبح کے مانند زخمِ دل گریبانی کرے

جلوہ کا تیری وہ عالم ہے کہ گر کیجے خیال
دیدۂ دل کو زیارت گاہِ حیرانی کرے

ہے شکستن سے بھی دل نومید یا رب کب تلک
آبگینہ کوہ پر عرضِ گرانجانی کرے

میکدہ گر چشمِ مستِ ناز سے پاوے شکست
موئے شیشہ دیدۂ ساغر کی مژگانی کرے

خطِ عارض سے لکھا ہے زلف کو الفت نے عہد
یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

ولہ

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب تو دے
ولے مجھے تپشِ دل مجالِ خواب تو دے

دکھا کے جنبشِ لب ہی تمام کر ہم کو
نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں جواب تو دے

کرے ہے قتل لگاوٹ میں تیرا رو دینا
تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے

پلا دے اوک سے ساقی جو ہم سے نفرت ہے
پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسدؔ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں پھول گئے
کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں داب تو دے

ولہ

تپش سے میری وقفِ کشمکش ہر تارِ بستر ہے
مرا سر رنجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے

سرشک سر بصحرا دادہ نور العین دامن ہے — دل بے دست و پا افتادہ برخوردار بستر ہے

خوشا اقبال رنجوری عیادت کو تم آئے ہو — فروغ شمع بالیں طالع بیدار بستر ہے

بطوفاں گاہ جوش اضطراب شام تنہائی — شعاع آفتاب صبح محشر تار بستر ہے

ابھی آتی ہے بو بالش سے اس کی زلف مشکیں کی — ہمارے ذوق کو خواب زلیخا عار بستر ہے

کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجر یار میں غالب — کہ بیتابی سے ہر یک تار بستر خار بستر ہے

خطر ہے رشتۂ الفت رگ گردن نہ ہو جاوے — غرور دوستی آفت ہے تو دشمن نہ ہو جاوے

سمجھ اس فصل میں کوتاہی نشو و نما غالب — اگر گل سرو کے قامت پہ پیراہن نہ ہو جاوے

ولہ

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے — نالہ پابند نے نہیں ہے

کیوں بوتے ہیں باغباں تونبے — گر باغ گدائے مے نہیں ہے

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے — پر تجھ سے کوئی شے نہیں ہے

ہاں کھائیو مت فریب ہستی — ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے

شادی سے گزر کہ غم نہ ہووے — اردی جو نہ ہو تو دی نہیں ہے

کیوں رد قدح کرے ہے زاہد — مے ہے یہ مگس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب — آخر تو کیا ہے اے نہیں ہے

نہ پوچھ نسخۂ مرہم جراحتِ دل کا — کہ اوس میں ریزۂ الماس جزوِ اعظم ہے

بہت دنوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی — وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

کرے ہے بادہ ترے لب سے کسبِ رنگِ فروغ — خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے

کبھی تو اس دلِ شوریدہ کی بھی داد ملے — کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے

بجا ہے گر نہ سنے نالہ ہائے بلبلِ زار — کہ گوشِ گل نمِ شبنم سے پنبہ آگیں ہے

اسد ہے نزع میں چل بیوفا برائے خدا — کہ وقتِ ترکِ حجاب و وداعِ تمکیں ہے

کیوں نہ ہو چشمِ بتاں محوِ تغافل کیوں نہ ہو — یعنی اس بیمار کو نظارے سے پرہیز ہے

مرتے مرتے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی — وائے ناکامی کہ اوس کافر کا خنجر تیز ہے

جلوۂ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد — جوششِ فصلِ بہاری اشتیاق انگیز ہے

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کرتے — مرتے ہیں ولے اوس کی تمنا نہیں کرتے

در پردہ اونہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی — ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ نہیں کرتے

یہ باعثِ نومیدیِ اربابِ ہوس ہے — غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

دیکھ کر در پردہ گرمِ دامن افشانی مجھے — کر گئی وابستۂ تن میری عریانی مجھے

بن گیا تیغِ نگاہِ یار کا سنگِ فساں — مرحبا میں کیا مبارک ہے گرانجانی مجھے

کیوں نہ ہو بے التفاتی اوس کی خاطر جمع ہے — جانتا ہے محوِ پرسش ہائے پنہانی مجھے

مہری غم خانہ کی قسمت جب رقم ہونی لگی
لکہ دیا منجملۂ اسباب ویرانی مجہی

بدگماں ہوتا ہی وہ کافر نہوتا کاش کی
اسقدر ذوق نوای مرغ بستانی مجہی

وای واں بہی شور محشر نی نہ دم لینی دیا
لیگیا تہا گور میں ذوق تن آسانی مجہی

وعدہ آنیکا وفا کیجی یہہ کیا انداز ہی
تمنی کیوں سونپی ہی میری گہر کی دربانی مجہی

ہاں نشاط آمد فصل بہاری واہ واہ
پہر ہوا ہی تازہ سودای غزل خوانی مجہی

دی مری بہائی کو حق نی از سر نو زندگی
میرزا یوسف ہی غالب یوسف ثانی مجہی

یاد ہی شادی میں بہی ہنگامہ یارب مجہی
سبحۂ زاہد ہوا ہی خندہ زیر لب مجہی

ہی کشاد خاطر وابستہ در رہن سخن
تہا طلسم قفل ابجد خانۂ مکتب مجہی

یارب اس آشفتگی کی داد کس سی چاہیی
رشک آسایش پہ ہی زندانیونکی اب مجہی

طبع ہی مشتاق لذت ہای حسرت کیا کروں
آرزو سی ہی شکست آرزو مطلب مجہی

دل لگا کر آپ بہی غالب مجہی سی ہو گئی
عشق سی آتی تہی مانع میرزا صاحب مجہی

کبہی نیکی بہی اوسکی جی میں گر آجای ہی مجہسی
جفائیں کرکی اپنی یاد شرما جای ہی مجہسی

خدایا جذبۂ دل کی مگر تاثیر اولٹی ہی
کہ جتنا کہینچتا ہوں اور کہنچتا جای ہی مجہسی

وہ بدخو اور میری داستان عشق طولانی
عبارت مختصر قاصد بہی گہبرا جای ہی مجہسی

اودہر وہ بدگمانی ہی ادہر یہہ ناتوانی ہی
نہ پوچہا جای ہی اوس سی نہ بولا جای ہی مجہسی

[illegible]

سنبھلنے دے مجھے اے ناتوانی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف نظارگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ فتنہ دیکھا جائے ہے مجھ سے

ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبردِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

ولہ

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو بزم میں جا دے مجھے
میرا ذمہ دیکھ کر گر کوئی بتلا دے مجھے

کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آ جائے رحم
واں تلک کوئی کسی حیلے سے پہنچا دے مجھے

منہ نہ دکھلاوے نہ دکھلا پر بہ اندازِ عتاب
کھول کر پردہ ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

یاں تلک میری گرفتاری سے وہ خوش ہے کہ میں
زلف گر بن جاؤں تو شانے میں الجھا دے مجھے

ولہ

زبسکہ مشقِ تماشا جنوں علامت ہے
کشاد و بستِ مژہ سیلیِ ندامت ہے

نہ جانوں کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بدعہدی
تجھے کہ آئینہ بھی ورطۂ ملامت ہے

بہ پیچ و تابِ ہوس سلکِ عافیت مت توڑ
نگاہِ عجز سرِ رشتۂ سلامت ہے

وفا مقابل و دعوائے عشق بے بنیاد
جنونِ ساختہ و فصلِ گل قیامت ہے

ولہ

رونے سے اور عشق میں بے باک ہو گئے
دھوئے گئے ہم اتنے کہ بس پاک ہو گئے

صرفِ بہائے مے ہوئے آلاتِ میکشی
تھے یہ ہی دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

رسوائے دہر گو ہوئے آوارگی سے تم
بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے

کہتا ہے کون نالۂ بلبل کو بے اثر
پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے

پوچھے ہے کیا وجود و عدم اہلِ شوق کا
آپ اپنی آگ کے خس و خاشاک ہو گئے

کرنے گئے تھے اوس سے تغافل کا ہم گلا
کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے

اس رنگ سے اوٹھائی کل اوس نے اسد کی نعش
دشمن بھی جسکو دیکھ کے غمناک ہو گئے

ولہ

زخمہ ہاے داب رنگِ ساز ہا مستِ طرب
شیشۂ مے سرو سبزِ جوئبارِ نغمہ ہے

ہمنشیں مت کہہ کہ برہم کر نہ بزمِ عیشِ یار
واں تو میرے نالہ کو بھی اعتبارِ نغمہ ہے

عرضِ نازِ شوخیِ دنداں براے خندہ ہے
دعوئ جمعیتِ احباب جاے خندہ ہے

کلفتِ افسردگی کو عیشِ بیتابی حرام
ورنہ دنداں در دلِ افشردن بناے خندہ ہے

ہے عدم میں غنچہ محوِ عبرتِ انجامِ گل
یک جہاں زانو تامل در قفاے خندہ ہے

شورشِ باطن کے ہیں احباب منکر ورنہ یاں
دل محیطِ گریہ و لب آشناے خندہ ہے

ولہ

نفس بے پرواے خریدارِ متاعِ جلوہ ہے
آئینہ زانوے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے

تا کجا اے آگہی رنگِ تماشا باختن
چشمِ وا گردیدہ آغوشِ وداعِ جلوہ ہے

جب تک دہانِ زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخن وا کرے کوئی

عالم غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سر بسر
کب تک خیالِ طرۂ لیلیٰ کرے کوئی

افسردگی نہیں طرب انشاے التفات
ہاں درد بن کے دل میں مگر جا کرے کوئی

دو سالے

رونے سے اے ندیم ملامت نہ کر مجھے
آخر کبھی تو عقدۂ دل وا کرے کوئی

لختِ جگر سے ہے رگِ ہر خار شاخِ گل
تا چند باغبانیٔ صحرا کرے کوئی

چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی

ناکامیٔ نگاہ ہے برقِ نظارہ سوز
تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی

ہر سنگ و خشت ہے صدفِ گوہرِ شکست
نقصاں نہیں جنوں سے جو سودا کرے کوئی

سر بر ہوئی نہ وعدۂ صبر آزما سے عمر
فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی

ہے وحشتِ طبیعتِ ایجاد یاس خیز
یہ درد وہ نہیں کہ نہ پیدا کرے کوئی

بیکاریٔ جنوں کو ہے سر پیٹنے کا شغل
جب ہاتھ ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسنِ فروغِ شمعِ سخن دور ہے
پہلے دلِ گداختہ پیدا کرے کوئی

باغ پا کر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
سایۂ شاخِ گل افعی نظر آتا ہے مجھے

جوہرِ تیغ بسر چشمۂ دیگر معلوم
ہوں میں وہ سبزہ کہ زہراب اگاتا ہے مجھے

مدعا محوِ تماشائے شکستِ دل ہے
آئینہ خانے میں کوئی لیے جاتا ہے مجھے

نالہ سرمایۂ یک عالم و عالم کفِ خاک
آسماں بیضۂ قمری نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھا دیتے تھے
دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

گرہ کیجے میں بار خاطر گر صدا ہو جائیے
بے تکلف اے شرار جستہ کیا ہو جائیے

بیضہ آسا ننگ بال و پر ہی یہ کنج قفس
از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائی

مستی بذوق غفلت ساقی ہلاک ہی
موج شراب یک مژۂ خوابناک ہی

ولہ

جز زخم تیغ ناز نہیں دل میں آرزو
جیب خیال بھی تری ہاتھوں سی چاک ہی

جوش جنوں سی کچھ نظر آتا نہیں اسد
صحرا ہماری آنکھ میں یک مشت خاک ہی

ولہ

لب عیسی کی جنبش کرتی ہی گہوارہ جنبانی
قیامت کشتۂ لعل بتاں کا خواب سنگیں ہی

ولہ

آمد سیلاب طوفان صدائی آب ہی
نقش پا جو کان میں رکھتا ہی انگلی جادہ سی

بزم می وحشتکدہ ہی کس کی چشم مست کا
شیشی میں نبض پری پنہاں ہی موج بادہ سی

ولہ

جس جا نسیم شانہ کش زلف یار ہی
نافہ دماغ آہوی دشت تتار ہی

کس کا سراغ جلوہ ہی حیرت کو ای خدا
آئینہ فرش شش جہت انتظار ہی

ہی ذرہ ذرہ تنگی جا سی غبار شوق
گر دام یہ ہی وسعت صحرا شکار ہی

دل مدعی و دیدہ بنا مدعا علیہ
نظارہ کا مقدمہ پھر روبکار ہی

چھڑکی ہی شبنم آئینۂ برگ گل پہ آب
ای عندلیب وقت وداع بہار ہی

پچ آ پڑی ہی وعدۂ دلدار کی مجھی
وہ آوی یا نہ آوی پہ یہاں انتظار ہی

بی پردہ سوی وادی مجنوں گذر نہ کر
ہر ذرہ کی نقاب میں دل بیقرار ہی

ای عندلیب یک کف خس بہر آشیاں
طوفان آمد آمد فصل بہار ہی

دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر ہی سہی
اے بے دماغ آئینہ تمثال دار ہے

غفلت کفیل عمر و اسد ضامن نشاط
اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

ہوں میں بھی تماشائی نیرنگ تمنا
مطلب نہیں کچھ اس سے کہ مطلب ہی بر آوے

خموشیوں میں تماشا ادا نکلتی ہے
نگہ دل سے ترے سرمہ سا نکلتی ہے

فشار تنگی خلوت سے بنتی ہے شبنم
صبا جو غنچے کے پردے میں جا نکلتی ہے

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آب تیغ نگاہ
کہ زخم روزن در سے ہوا نکلتی ہے

ہجوم نالہ حیرت عاجز عرض یک افغاں ہے
خموشی ریشۂ صد نیستاں سے خس بدنداں ہے

تکلف بر طرف ہے جانستاں تر لطف بد خویاں
نگاہ بے حجاب ناز تیغ تیز عریاں ہے

ہوئی یہ کثرت غم سے تلف کیفیت شادی
کہ صبح عید مجھ کو بدتر از چاک گریباں ہے

دل و دیں نقد لا ساقی سے گر سودا کیا چاہے
کہ اس بازار میں ساغر متاع دست گرداں ہے

غم آغوش بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو
چراغ روشن اپنا قلزم صرصر کا مرجاں ہے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حسرت نے لا رکھا تری بزم خیال میں
گلدستۂ نگاہ سویدا کہیں جسے

پھونکا ہے کس نے گوش محبت میں اے خدا
افسون انتظار تمنا کہیں جسے

سر پر ہجوم درد غریبی سے ڈالیے
وہ ایک مشت خاک کہ صحرا کہیں جسے

ہے چشمِ تر میں حسرتِ دیدار سے نہاں
شوقِ عناں گسیختہ دریا کہیں جسے

درکار ہے شگفتنِ گلہائے عیش کو
صبحِ بہار پنبۂ مینا کہیں جسے

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
اب بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

ولہ

شبنم بہ گلِ لالہ نہ خالی ز ادا ہے
داغِ دلِ بیدرد نظر گاہِ حیا ہے

دل خوں شدۂ کشمکشِ حسرتِ دیدار
آئینہ بدستِ بتِ بدمستِ حنا ہے

شعلے سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی
جی کس قدر افسردگیِ دل پہ جلا ہے

تمثال میں تیری ہے وہ شوخی کہ بصد ذوق
آئینہ بہ انداز گل آغوش کشا ہے

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

خو نے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو
معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے

مجبوری و دعوائے گرفتاریِ الفت
دستِ تہِ سنگ آمدہ پیمانِ وفا ہے

معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گذشتہ
تیغِ ستم آئینۂ تصویر نما ہے

اے پرتوِ خورشیدِ جہاں تاب ادھر بھی
سایہ کی طرح ہم پہ عجب وقت پڑا ہے

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد
یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

بیگانگیِ خلق سے بیدل نہ ہو غالب
کوئی نہیں تیرا تو مری جان خدا ہے

مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے
جوشِ قدح سے بزم چراغاں کیے ہوئے

کرتا ہوں جمع

کرتا ہوں جمع پھر جگرِ لخت لخت کو
عرصہ ہوا ہے دعوتِ مژگاں کیے ہوئے

پھر وضعِ احتیاط سے رکنے لگا ہے دم
برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کیے ہوئے

پھر گرمِ نالہ ہائے شرربار ہے نفس
مدت ہوئی ہے سیرِ چراغاں کیے ہوئے

پھر پرسشِ جراحتِ دل کو چلا ہے عشق
سامانِ صد ہزار نمکداں کیے ہوئے

پھر بھر رہا ہوں خامۂ مژگاں بخونِ دل
سازِ چمن طرازیِ داماں کیے ہوئے

باہم دگر ہوئے ہیں دل و دیدہ پھر رقیب
نظارہ و خیال کا ساماں کیے ہوئے

دل پھر طوافِ کوئے ملامت کو جائے ہے
پندار کا صنم کدہ ویراں کیے ہوئے

پھر شوق کر رہا ہے خریدار کی طلب
عرضِ متاعِ عقل و دل و جاں کیے ہوئے

دوڑے ہے پھر ہر ایک گل و لالہ پر خیال
صد گلستاں نگاہ کا ساماں کیے ہوئے

پھر چاہتا ہوں نامۂ دلدار کھولنا
جاں نذرِ دلفریبیِ عنواں کیے ہوئے

مانگے ہے پھر کسی کو لبِ بام پر ہوس
زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو
سرمے سے تیز دشنۂ مژگاں کیے ہوئے

اک نوبہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ
چہرہ فروغِ مے سے گلستاں کیے ہوئے

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کیے ہوئے

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں
سر زیرِ بارِ منتِ درباں کیے ہوئے

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے — بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

منقبت — قصیدہ در منقبت جناب مرتضیٰ علیہ السلام

ساز یک ذرہ نہیں فیضِ چمن سے بیکار — سایۂ لالۂ بے داغ سویدائے بہار

مستیِ بادِ صبا سے ہے بہ عرضِ سبزہ — ریزۂ شیشۂ مے جوہرِ تیغِ کہسار

سبز ہے جامِ زمرد کی طرح داغِ پلنگ — تازہ ہے ریشۂ نارنج صفت روئے شرار

مستیِ ابر سے گلچینِ طرب ہے حسرت — کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالم کا فشار

کوہ و صحرا ہمہ معموریِ شوقِ بلبل — راہِ خوابیدہ ہوئی خندۂ گل سے بیدار

سونپے ہے فیضِ ہوا صورتِ مژگانِ یتیم — سرِ رشتۂ دو جہاں ابر بہ یک سطرِ غبار

کاٹ کر پھینکیے ناخن تو بہ اندازِ ہلال — قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار

کفِ ہر خاک بہ گردوں شدہ قمری پرواز — دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤس شکار

میکدے میں ہو اگر آرزوئے گل چینی — بھول جا یک قدحِ بادہ بہ طاقِ گلزار

موجِ گل ڈھونڈھ بہ خلوت کدۂ غنچۂ باغ — گم کرے گوشۂ میخانہ میں اگر تو دستار

کھینچے گر مانیِ اندیشہ چمن کی تصویر — سبز مثلِ خطِ نوخیز ہو خطِ پرکار

لعل سے کی ہے پئے زمزمۂ مدحتِ شاہ — طوطیِ سبزۂ کہسار نے پیدا منقار

واں کی خاشاک سے حاصل ہو جسے یک پرِ کاہ — وہ رہے مروحۂ بالِ پری سے بیزار

خاکِ صحرائے نجف

خاکِ صحرائے نجف جوہرِ سیرِ عرفا — چشمِ نقشِ قدم آئینۂ بختِ بیدار

ذرہ اس گرد کا خورشید کو آئینۂ ناز — گرد اس دشت کی امید کو احرامِ بہار

آفرینش کو ہے واں سے طلبِ مستیٔ ناز — عرضِ خمیازۂ ایجاد ہے ہر موجِ غبار

فیض سے تیرے ہے اے شمعِ شبستانِ بہار — دلِ پروانہ چراغاں، پرِ بلبل گلزار

شکلِ طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز — ذوق میں جلوہ کے تیرے بہ ہوائے دیدار

تیری اولاد کے غم سے ہے بروئے گردوں — سلکِ اختر میں مہِ نو مژۂ گوہر بار

ہم عبادت کو ترا نقشِ قدم مہرِ نماز — ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے استظہار

مدح میں تیری نہاں زمزمۂ نعتِ نبی — جام سے تیرے عیاں بادۂ جوشِ اسرار

جوہرِ دستِ دعا آئینہ یعنی تاثیر — یک طرف نازشِ مژگاں و دگر سو غمِ خار

مردمک سے ہو عزا خانۂ اقبالِ نگاہ — خاکِ در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ وار

دشمنِ آلِ نبی کو بہ طرب خانۂ دہر — عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو طاقِ دیوار

دیدہ تا دل اسد آئینۂ یک پرتوِ شوق — فیضِ معنی سے خطِ ساغرِ راقم سرشار

منقبت

دہر جز جلوۂ یکتائیِ معشوق نہیں — ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق — بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

زهی نغمهٔ زیر و بم هستی و عدم
نشئهٔ مضمون وفا یاد بدست تسلیم
لاف دانش غلط و نفع عبادت معلوم
نقش معنی همه خمیازهٔ عرض صورت
عشق بهر لطف شیرازهٔ اجزای حواس
گوکش آرسته مرد و رطب گاه رقیب
گسستی دکلی نقش اهل وفا آتش خیز
ساغر زمزمهٔ اهل جهان مینی تکلیف
کشف هر ذره سرا معنی که عیاذا بالله
نقش لاحول لکنه ای خامه زبان تحریر
مظهر فیض خدا جان و دل خرم رسلک
موج سرمایهٔ ایجاد جهان گرم خرام
جلوه بردار نقش قدم او سکا حسن حیا
نسبت نام کس او کسی بی همه ریشه که رجع
منفی خلق ار کمال بر تسلی که نمونهای

لغوی آینه فرق جنون و تمکین
صورت نقش قدم خاک لغزش تمکین
در دکت ساغر غفلت صلای جه دنیا و جه دین
سخن حق همه بیجانهٔ ذوق تحسین
وصف زنگ زنج روشن مرآت یقین
بیستون آینهٔ خواب گران شیرین
کشتی باد انزیانه دلهای حزین
نه سر و برگ ستایش نه دماغ نفرین
نکهتم خارج آداب وقار و تمکین
با علی عرض کرای فطرت وسواس قرین
قبلهٔ آل نبی کعبهٔ ایجاد یقین
جو کف خاک سی ناموس دو عالم که امین
هر کف خاک منشه وهان گرده لغو بر زمین
ابد آنست فلک خم شده تا زمین
لوحی نمک سی نفس باد صبا عنبر گین

الٰہی رحم فا

بزم میں شمع کا اوسکی ہی جہان میں چرچا
قطع ہو جائی نہ سر رشتۂ ایجاد کہیں

نقش سوز اوسکی مہ جلوہ ہی کہ جس سے ٹوٹے
رنگ عاشق کی نظر و رونق بتخانۂ جبین

جان نثار ہا دل و جان فیض رسانا شاہا
وصی ختم رسل تو ہی بقول ای یقین

جسم اطہر کو تیری دوش پیمبر منبر
نام نامی کو تیری نامۂ عرش نگین

کس کی ممکن ہی تیری مدح بجز از واجب
شعلۂ شمع نگر شمع پہ باندہی آئین

آستانہ پہ تیری جیسے جوہر آئینۂ سنگ
رقم بندگی حضرت جبریل امین

تیری در کے لئے اسباب نثار آمادہ
خاک کو تیری جو خدا نے دی جان و دل و دین

تیری مدحت کے لیے ہیں دل و جان کام و زبان
تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست و جبین

کس سے ہو سکتی ہی مداحی ممدوح خدا
کس سے ہو سکتی ہی آرایش فردوس بریں

[illegible]
کہ گدا تیری کو ہی اوسکا خریدار نہیں

شوخی عرض مطالب میں جھجکے گستاخ مطلب
جھجکے تیری جو چند فقرہ بہ از سکہ یقین

دی دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول
کہ اجابت کہی ہر حرف پہ سو بار آمین

رم شبنم سی ہو سینہ یہاں تک لبریز
کہ رہیں خون جگر سے مری آنکھیں رنگین

طبع کو الفت دلدل میں یہ سرگرمی شوق
کہ جہاں تک چلی اوسکے قدم اور جبین

دل الفت نسب و سینۂ توحید فشان
نگہ جلوہ پرست و نفس صدق گزین

صرف اعدا اثر شعلۂ دود دوزخ وقف احباب گل و سنبل فردوس بریں

تمت

قطعہ در حالتیکہ عنوان دار و مدار گفتار داستان گردن آمده شبهان بر طلب دلبرانه

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

بیاد دہانی سپاس عطای سخنی راندن و مصراع گزیده سخن در برابر این آفرین زنان

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے حرز بازوئے شگرفان خود آرا کہیے

مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیے داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے

خاتم دست سلیماں کے مشابہ لکھیے سر پستان پریزاد سے مانا کہیے

اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے خال مشکین رخ دلکش لیلی کہیے

حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض نافہ آہوئے بیابان ختن کا کہیے

وضع میں اس کو اگر سمجھیے قاف تریاق رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے

صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز میکدے میں اسے خشت خم صہبا کہیے

کیون اسے قفلِ درِ گنجِ محبت لکھی — کیون اسے نقطۂ پرکار تمنا کہی

کیون اسے گوہرِ نایاب تصور کیجی — کیون اسے مردمکِ دیدۂ عنقا کہی

کیون اسے تکمۂ پیراہنِ لیلی لکھی — کیون اسے ... پئے ناقۂ سلمیٰ کہی

بندہ پرور کے کفِ دست کو دل کیجی فرض — اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہی

رباعیات

بعد از اتمامِ بزمِ عیدِ اطفال — ایامِ جوانی رہے ساغر کشِ حال

آ پہنچے ہیں تا سوادِ اقلیمِ عدم — ای عمرِ گذشتہ یک قدم استقبال

ایضاً

شب زلف و رخِ عرق فشان کا غم تھا — کیا شرح کرون کہ طرفہ تر عالم تھا

رویا مین ہزار آنکھ سے صبح تلک — ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

ایضاً

آتش بازی ہی جیسے شغلِ اطفال — ہی سوزِ جگر کا بھی اسی طور کا حال

تھا موجدِ عشق بھی قیامت کوئی — لڑکون کے لیے گیا ہی کیا کھیل نکال

ایضاً

دل تھا کہ جو جانِ دردِ تمہید سہی — بیتابیِ رشک و حسرتِ دید سہی

صرف اعدا اثر شعلۂ دود دوزخ — وقف احباب گل و سنبل فردوس بریں

قطعه در تماشای همواران جلوهٔ دهر بتقریب وارسی کردن اندوه شیمان بر ذات دلبند

گئے وہ دن کہ نادانستہ غیروں کی وفاداری — کیا کرتے تھے تم تقریر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے پہ کیا شرمندگی جانے دو مل جاؤ — قسم لو ہم سے گر یہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

بارے دو شمار اس کے مسلسل چھند نیت راندن و سامع آزرده گفتن بهم جز جهان افتادن نازش ما

ہے جو صاحب کے کف دست پہ یہ چکنی ڈلی — زیب دیتا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے — ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیے

مہر مکتوب عزیزان گرامی لکھیے — حرز بازوئے شگرفان خود آرا کہیے

مسی آلودہ سر انگشت حسیناں لکھیے — داغ طرف جگر عاشق شیدا کہیے

خاتم دست سلیماں کے مشابہ لکھیے — سر پستان پری زاد سے مانا کہیے

اختر سوختۂ قیس سے نسبت دیجے — خال مشکین رخ دلکش لیلی کہیے

حجر الاسود دیوار حرم کیجے فرض — نافہ آہوئے بیابان ختن کا کہیے

وضع میں اس کو اگر سمجھیے قاف تریاق — رنگ میں سبزۂ نوخیز مسیحا کہیے

صومعے میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز — میکدے میں اسے خشت خم صہبا کہیے

کیوں اسے

کیوں اسی قفل در گنج محبت لکھئی — کیوں اسے نقطۂ پرکار تمنا کہئی
کیوں اسی گوہر نایاب تصور کیجئی — کیوں اسے مردمک دیدۂ عنقا کہئی
کیوں اسی تکمۂ پیراہن لیلیٰ لکھئی — کیوں اسے ـــ پے ناقۂ سلمیٰ کہئی
بندہ پرور کے کف دست کو دل کیجئی فرض — اور اس چکنی سپاری کو سویدا کہئی

رباعیات

بعد از اتمام بزم عید اطفال — ایام جوانی رہے ساغر کش حال
آ پہنچے ہیں تا سواد اقلیم عدم — اے عمر گذشتہ یک قدم استقبال

رباعی

شب زلف و رخ عرق فشاں کا غم تھا — کیا شرح کروں کہ طرفہ تر عالم تھا
رویا میں ہزار آنکھ سے صبح تلک — ہر قطرۂ اشک دیدۂ پرنم تھا

رباعی

آتش بازی ہے جیسے شغل اطفال — ہے سوز جگر کا بھی کچھ ایسا ہی حال
تھا موجد عشق بھی قیامت کوئی — لڑکوں کے لیے گیا ہے کیا کھیل نکال

رباعی

دل تھا کہ جو جان درد تمہید سہی — بیتابی رشک و حسرت دید سہی

ہم اور فزوں اے تجلی افسوس
تکرار روا نہیں تو تجدید سہی

ہے خلق حسد قماش لڑنے کے لیے
وحشتکدہ تلاش لڑنے کے لیے
یعنی ہر بار کاغذ باد کیطرح
ملتے ہیں یہ بد قماش لڑنے کے لیے

دکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رک رک کر بند ہو گیا ہے غالب
واللہ کہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل
سن سن کے اسے سخنوران کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

ہیں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم
آثار جلالی و جمالی باہم
ہوں شاد نہ کیوں سافل و عالی باہم
ہے اب کے شب قدر و دوالی باہم

صبح ہے جو چمکتا ہے جبھی ذرہ دال
ہے فضل و عنایات شہنشاہ پہ دال
تیاہ پسند دال بے بحث و جدال
ہے دانش و داد و دولت و دیں کے دال

Diwan-e-Ghalib

(Urdu)

Khuda Bakhsh Library Manuscript

Introduced by

Dr. Farrukh Jalali

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna